سلسلہ مطبوعات ادارہ ادبیات اردو نمبر (۴۹)



# کاغذ کی ناؤ

مختصر نثری تمثیلوں کا مجموعہ

صاحبزادہ میر محمد علی خاں میکشؔ

مصنف "گریہ و تبسم" و مدیر ماہنامہ "سب رس"

(۹۲)

ناشر

ادارہ ادبیات اردو۔ رفعت منزل خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن

قیمت ۱۲؍

# مصنف کی دوسری کتابیں

(۱) گریہ و تبسم (کلام کا پہلا مجموعہ) مجلد قیمت (عہ)

(۲) کھوئے ہوؤں کی جستجو (قطب شاہی حیدرآباد کے متعلق نیم تاریخی نظمیں) (زیر طبع)

(۳) الٹی گنگا (مزاحیہ تمثیلوں کا مجموعہ) (زیر طبع)

(۴) نغموں کی وادی (غنائیوں کا مجموعہ) (زیر طبع)

(۵) کنول (کلام کا دوسرا مجموعہ) (زیر ترتیب)
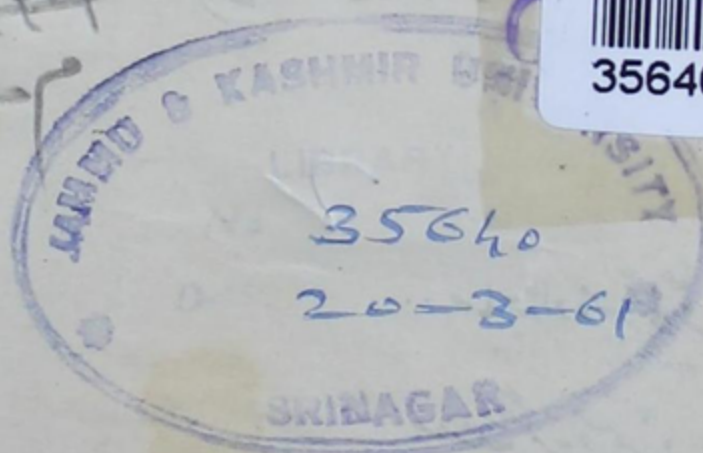
# فہرست

# پہلی بات

یہ مختصر ڈرامے جو "کاغذ کی ناؤ" کے نام سے کتابی صورت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ غریبوں کی زندگی کے عکس ہیں۔ ان کے ذریعہ سے "انسان دوستی" کے احساسات کو جگانے کی کوشش کی گئی ہے جو ہر انسان کے دل میں ہیں۔ ہر ڈراما تمثیلی کرداروں کو پیش کرتا ہے اور تقریباً تمام تمثیلی کردار غریبوں کے مسائل حیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جہاں تک میری کوشش کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ تمام ڈرامے طبعزاد ہیں، البتہ "گناہ" قاضی نذر الاسلام کی نظم "طوائف" سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ان ڈراموں کو پیش کرنے میں میری روح کی تڑپ اور میرے دل کی دھڑکن نے اپنے حقیقی جذبات کو لفظی پیکر پہنانے میں کامیابی حاصل کی ہے یا نہیں؟

"کاغذ کی ناؤ" کو پیش کرتے ہوئے میں ڈاکٹر زور مدظلہ، مجتبیٰ میر حسن ام اے عزیزی میر عزیز الحق بی۔ اے عزیزی خواجہ حمید الدین شاہد اور عزیزی معراج علی کا شکر گزار ہوں۔ ڈاکٹر زور مدظلہ نے "ادارہ ادبیات اردو" کی جانب سے اس کی اشاعت کا انتظام فرمایا مجتبیٰ میر حسن نے پیش لفظ لکھا، عزیزی میر عزیز الحق اور عزیز شاہد نے کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح میں مدد دی اور عزیزی معراج علی نے اس کے لئے ایک دیدہ زیب سرورق بنایا۔

میکش

ایس سیتا رام سیٹھ

# یہ حیدرآباد ہے!

میر حسن

نشری ڈرامہ فضائی ادب کی سب سے زیادہ مشکل صنف ہے اسٹیج کیلئے ڈرامہ لکھنے والے کو جو سہولتیں حاصل رہتی ہیں مثلاً نظر فریب پردے۔ سٹنگ۔ دیدہ زیب اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والی روشنیاں۔ اداکاروں کا وجود ان کی اداکاری۔ لباس میک اپ چہرہ کا اتار چڑھاؤ اور آنکھوں اور ہاتھ پیر کی بامعنی جنبشیں۔ ان میں سے آواز کے سوائے کوئی وسیلہ نشری ڈرامہ نگار کو میسر نہیں۔ نشری ڈرامہ آواز میں سوچا جاتا ہے اس میں وقت اور مقام کا تعین اور ماحول و مناظر غرض ہر چیز کی تصویر آواز کے ذریعہ فضا میں بنانی پڑتی ہے۔ ہر چیز یا تو بولی جاتی ہے یا اس کا اثر میکانی وسائل سے پیدا کردہ آوازوں سے پیدا کیا جاتا ہے۔

کسی نے سچ کہا ہے کہ ریڈیو کیلئے لکھنا اندھوں کے لئے لکھنے کے مماثل ہے اسلئے کہ سننے والوں کی نظروں کے سامنے کوئی چیز نہیں ہوتی۔ حواس خمسہ میں سے ان کی صرف ایک یعنی سننے کی حس کام کرتی ہے۔ اسلئے نشر نگاری میں کامیابی وہی ادیب حاصل کر سکتا ہے جو کانوں سے سوچے۔ اور افکار کو آواز کا جامہ پہنائے۔ جس طرح مصور خطوط اور رنگوں کی مدد سے تصویر کھینچتا ہے اسی طرح نشر نگار الفاظ اور آواز سے تصویریں بناتا ہے۔ مصور اور نشر نگار میں فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر غیر مرئی وسائل سے ماحول اور ذہنی کیفیات کا نقشہ بھی موثر طریقہ پر کھینچتا ہے۔

سننے والوں کی توجہ کو قائم رکھنا نشری ڈرامہ کی کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ پیچ در پیچ جملوں لفاظی اور مہملات کے لئے فضا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ طرز بیان انتہائی سادہ اور ان تمام ظاہری اور معنوی صنایع سے پاک ہونا چاہیئے جنکو سمجھنے اور سمجھ کر لطف اٹھانے میں سننے والے کو ایک سکینڈ یا اس کے کچھ حصہ کے لئے بھی رک کر سوچنے کی ضرورت ہو۔

آج صاحبزادہ مسکین کے چند نشری ڈرامے اور خاکے جو بہترین فضائی خوبیوں سے آراستہ ہیں پیش کئے جا رہے ہیں۔ توقع ہے کہ یہ دلچسپی سے پڑھے اور سنے جائینگے۔

مسکین کو نشریات کا راست تجربہ ہے۔ اور نشرگاہ حیدرآباد کا پروگرام سننے والے منفرد غنائیہ اور دوگانہ نگار کی حیثیت سے مسکین صاحب سے واقف ہیں۔

گریہ و تبسم کے مصنف اور سب رس کے مدیر کی حیثیت سے آپ انھیں جانتے ہی ہیں۔ اب ہم آپ سے ان کا تعارف ایک ہونہار ڈرامہ نویس کی حیثیت سے کراتے ہیں۔

صاحبزادہ میر محمد علی خاں صاحب مسکین

میر حسن
نشرگاہ حیدرآباد

# کاغذی ناؤ

(دو ایکٹ میں ایک حزنیہ)

دنیا کے تلاطم خیز سمندر میں غریب لاچوں کی زندگی، "کاغذی ناؤ" ہے جو مصیبتوں اور تکلیفوں کے تھپیڑے کھا کر غرق ہو جاتی ہے۔

# افرادِ ڈراما

جبیب ۔ ملاح کا نوجوان بیٹا

سلمیٰ ۔ اس کی چچازاد بہن

حلیمہ ۔ سلمیٰ کی ماں

غفور ۔ ایک ملاح

غفور کی بیوی

ایک ملاح

وقت ۔ زمانہ موجودہ

مقام ۔ ایک سمندری علاقہ

# کاغذ کی ناؤ

سمندر کی بے رحمی ضرب المثل ہے جس سے ساحلی علاقوں کے لوگ زیادہ واقف ہیں۔ سب سے زیادہ وہ ملاّح جانتے ہیں جن کی عمریں طوفانوں کے سینوں پر بسر ہوتی ہیں۔ اور جو ہر مرتبہ اپنے ماضی اور مستقبل کو ساحل پر چھوڑ کر اٹل ارادوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

تلاطم خیز سمندر دنیا ہے ملاّح غریب اور ان کی زندگی کاغذ کی ناؤ ہے یہی حبیب کی زندگی کا نصب العین ہے جو بچپن ہی سے اس کے دل کو منوّر کرتا رہا ہے۔ ریتی کا گھروندا کاغذ کی ناؤ یہ ان غریبوں کے خوش آئند خواب ہیں جو بن بن کر مٹ جاتے اور سنور سنور کر بگڑ جاتے ہیں۔ حلیمہ ایک ہمدرد روح ہے۔ اس کے دل میں بے سہاروں کا درد ہے۔ اس لئے کہ وہ خود بے سہارا ہے

یہ نشری ڈرامہ سراپا درد ہے۔ میرے خیال میں اس کا اثر بہت زیادہ اور دیرپا ہو جائے گا۔ اگر نشر کے وقت شروع سے آخر تک پس منظر میں معنی آفریں سازی موسیقی دھیمے سروں میں چپکے چپکے جاری رکھی جائے۔

میر حسن

# پہلا ایکٹ

## پہلا سین
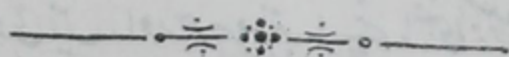
(دریا کے کنارے سلمیٰ اور حبیب، دنیا کی نگاہوں سے دور موجوں کے ساز پر معصوم محبت کا نغمہ بہا رہے ہیں)

سلمیٰ۔ میں نے ریت کا کتنا اچھا گھروندا بنایا ہے۔

حبیب۔ بہت اچھا۔ لیکن سلمیٰ کیا تم اسے لہروں سے بچا سکو گی۔

سلمیٰ۔ کیوں نہیں میں اس کے سامنے ریت کی ایک دیوار بنا دوں گی۔

حبیب۔ بھولی بچی! ریت کے گھروندے کو بچانے کے لیے ریت کی دیوار۔ دریا کی تیز لہریں تمھارا یہ گھروندا بہا کر رہیں گی —— لہریں۔ یہ ساحل سے ٹکرانے والی لہریں جب ساحل پر پھیلتی ہیں تو اپنا راستہ پیدا کر لیتی ہیں۔ ریت کی دیوار نہیں روک سکے گی سلمیٰ۔

سلمیٰ - [محویت سے چونک کر] یہ لو تیار ہو گئی دیوار - تم کیا کہہ رہے تھے
میں نے سنا نہیں -

حبیب - کچھ نہیں -

سلمیٰ - تم نے کل کہا تھا میرے لئے کاغذ کی ناؤ لا دو گے شاید تم بھول گئے

حبیب - میں کبھی نہیں بھول سکتا - میں اپنے ساتھ کاغذ لایا ہوں - ابھی
ناؤ تیار کیے دیتا ہوں - [حبیب ناؤ بناتا ہے سلمیٰ سامنے بیٹھ جاتی ہے]

سلمیٰ - یہ گھروندا ہمارا گھر ہے -

حبیب - ہاں - اور یہ ناؤ میں تمھارے لئے بنا رہا ہوں - ہم اسے دریا میں
بہائیں گے -

سلمیٰ - اگر یہ ناؤ ڈوب گئی تو پھر

حبیب - تو پھر میرے پاس کاغذ نہیں ہے سلمیٰ -

سلمیٰ - پھر ہم کیا کریں گے ؟

حبیب - میں بھی یہی سوچ رہا ہوں —— لو تیار ہو گئی ناؤ -

سلمیٰ - چلو اسے دریا میں چھوڑیں -

حبیب - چلو -

سلمیٰ ۔ چھوڑ دو ۔

حبیب ۔ ارے یہ تو ٹیڑھی ہو جا رہی ہے ۔ تھوڑی ریت لے آؤ ۔

(سلمیٰ ریت اٹھاتی ہے)

سلمیٰ ۔ ڈال دوں اس میں ؟

حبیب ۔ ہاں ۔ اب یہ اچھی طرح بہے گی ۔

سلمیٰ [ خوشی سے ] کیسی سندر ہے یہ ناؤ ۔ کس بانکپن سے بہہ رہی ہے ۔

حبیب [ لمبی سانس کے ساتھ ] مگر موجوں کا ایک ہلکا تھپیڑا اسے ختم کر دے گا ۔

سلمیٰ ۔ چلو ایسی باتیں نہ کیا کرو ۔ وہ دیکھو چلی میری ناؤ ۔

حبیب ۔ وہ موجوں میں ڈوب گئی ۔

سلمیٰ ۔ [ بے چینی سے ] ڈوب گئی ۔ یا اللہ اب کیا ہو گا ۔

حبیب ۔ کچھ نہیں چلو اپنے گھروندے کے پاس ۔

سلمیٰ ۔ نہیں گھروندے میں کیا دھرا ہے ۔ ناؤ کو تو نکال لاؤ ۔

حبیب ۔ دیوانی ہو گئی ہو ڈوبی ہوئی ناؤ کو لے کر کیا کرو گی ۔

سلمیٰ ۔ میں اسے پھر بہاؤں گی ۔

حبیب ۔ ڈوبے ہوئے کو تِرانا مشکل ہے ۔ اب چلو کل تم کو دوسری ناؤ لا دیں گے
ایسی ناؤ جو کبھی نہیں ڈوب سکے گی ۔

سلمیٰ ۔ لادو گے ؟

حبیب ۔ ہاں میں ضرور لادوں گا ۔ تم اسے پہنانا ۔

سلمیٰ ۔ اچھا چلو اپنے گھروندے کے پاس ۔

(دونوں چلتے ہیں)

حبیب ۔ مجھے وہ زمانہ یاد آرہا ہے سلمیٰ ۔ جب میرا باپ زندہ تھا ۔ اسی دریا میں ہماری ناؤ بہتی تھی ۔

سلمیٰ ۔ پھر کیا ہوئی وہ ناؤ ۔

حبیب ۔ وہ ناؤ ڈوب گئی ۔ اسی کے ساتھ میرا باپ بھی ۔ اسی طرح جیسے تمہاری کاغذ کی ناؤ ڈوب گئی ۔ ناؤ کیا ڈوبی ہمارا سہارا ٹوٹ گیا ۔ میں چھوٹا تھا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے ۔ ہمارے گھر میں کہرام مچ گیا تھا ۔ اماں رو رہی تھیں گھر جہنم ہو گیا تھا ۔

سلمیٰ ۔ تو دوسری ناؤ کیوں نہیں بنائی ؟

حبیب ۔ پیسے نہیں تھے ۔

سلمیٰ ۔ تو پھر کیا ہوا ۔

حبیب ۔ اماں جان ۔ ان مصیبتوں کا مقابلہ نہ کرسکیں ۔ زندگی کے دن جوں توں کاٹے ۔ آخر موت نے انھیں بھی ہم سے چھین لیا ۔

[سمندر کی ایک تیز موج ریت کا گھروندا بہا دیتی ہے]

سلمیٰ۔ ارے میرا گھروندا بہہ گیا۔

حبیب۔ گھروندے یوں ہی بہہ جاتے ہیں سلمیٰ۔ بھرے گھر اجڑ جاتے ہیں۔

سلمیٰ۔ کل میں دوسرا گھروندا بناؤں گی ـــــ

حبیب۔ ہاں ایک مضبوط گھروندا۔ جس کو لہریں نہ بہا سکیں گی۔

سلمیٰ۔ چلو اب گھر چلیں گے۔ اماں جان راہ دیکھ رہی ہوں گی۔

حبیب۔ چلو۔ چچی کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ ماں باپ نے مجھے چھوڑ دیا۔
وہ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے لیکن تمھاری ماں نے مجھے سہارا دیا جب
تم بہت چھوٹی تھیں سلمیٰ۔

سلمیٰ۔ وہ تو کہتی ہیں کہ باوا جان کے مرنے کے بعد تم نے انھیں سہارا دیا۔

حبیب۔ میں نے سہارا دیا؟ نہیں سلمیٰ میں نے سہارا لیا۔ مجھے ان کا بڑا خیال ہے
وہ دن بھر محنت کرتی ہیں۔ ہم کو ان کی تکلیفوں کا اندازہ نہیں ہے۔
تم تو خیر کیا جانو۔ میرا جی جانتا ہے۔ وہ کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ دن بھر
دھوپ میں وہ مچھلیاں بیچتی ہیں۔ خود بھوکی رہتی ہیں اور ہمیں کھلاتی ہیں۔

[پردہ گرتا ہے]

# دوسرا سین

(ایک بوسیدہ گھر جس میں معمولی سامان نوحہ خوانی کر رہا ہے)

حلیمہ۔ (آپ ہی آپ) آج بڑا اچھا دن تھا۔ پانچ روپے آٹھ آنے کی مچھلیاں بک گئیں۔ تین روپے فائدہ ہوا ڈھائی روپے کے کپڑے لائی (گنتے ہوئے) اب یہ ایک آنہ، دو آنے، تین آنے، چار آنے، اور یہ چونی۔ آٹھ آنے چار آنے میں چاول، تیل، اور کیا بھئی ہلدی۔ مرچ۔ آج بچوں کے لیے مزیدار سالن پکاؤں گی۔ چار آنے بچے۔ اب میرے پاس ہو گئے پینسٹھ روپے گیارہ آنے — مجھے اور سو روپے چاہئیں میں ایک ناؤ خریدوں گی جیب اسے چلائے گا۔ وہ کما کر لائے گا۔ میں اور سلمٰی گھر میں رہیں گے۔ سلمٰی اور جیب کی شادی ہو جائے گی کتنے سکھ کے دن ہوں گے وہ۔۔

(غفور داخل ہوتا ہے)

غفور۔ کس سے باتیں کر رہی ہو بھابی۔

حلیمہ ۔ (چونک کر) اوہو، تم ہو۔ میں تو ڈر گئی۔ کہو بھائی تمھاری ناؤ کیسی چل رہی ہے۔

غفور ۔ اجی کہاں چل رہی ہے بھابی۔ دریا بھرپور ہے اور میری ناؤ چھوٹی اور پرانی۔ وہ ہچکولوں کی تاب کہاں لا سکتی ہے۔ دریا اترے تو پھر ناؤ بھی چلے۔

حلیمہ ۔ کیا دریا میں کوئی ناؤ نہیں چل رہی ہے؟

غفور ۔ کیوں نہیں (رک کر) ذرا پانی دینا بھابی۔ بہت سی ناویں چل رہی ہیں بات یہ ہے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں چپو اور پتوار چلانے کی طاقت نہیں ہے ہلکا سا پانی ہو تو چلا بھی لیتا ہوں ورنہ مشکل ہے۔

حلیمہ ۔ تو مزدور کیوں نہیں رکھ لیتے۔

غفور ۔ روزانہ اسے مزدوری کہاں سے دوں۔

حلیمہ ۔ تو ایک بات کرو۔ جب تمھاری ناؤ چلائے گا۔ جس روز کچھ ملے اسے دے دینا۔ جس روز نہ ملے فکر کی کوئی بات نہیں۔

غفور ۔ اچھی بات ہے۔ ہاں بھابی ورنہ جینا دشوار ہو جائے گا۔ کب تک قرض پر زندگی بسر کروں گا۔

حلیمہ ۔ (آہ بھر کے) ہاں بھائی غریب ملاحوں کی زندگی ایسی ہی بسر ہوتی ہے۔

حبیب کے ماں باپ یونہی تباہ ہوئے میرا بسا گھر یونہی اجڑ گیا۔ سلمیٰ کے باپ جب تک زندہ تھے ناؤ سے کچھ مل جاتا تھا، تم جانتے ہو۔ ان کے مرنے کے بعد میرا ہاتھ کس قدر تنگ ہو گیا، ناؤ کو بیچنا پڑا۔ اب دن بھر مچھلیاں بیچتی ہوں۔ اللہ پالنے والا ہے۔ کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔

غفور۔ تمہیں یاد ہے بھابی۔ وہ دن جب حبیب اور سلمیٰ کا رسم ہوا تھا۔ حبیب کے ماں باپ، تم اور تمہارے مرحوم شوہر کتنے خوش تھے۔

حلیمہ۔ ہاں بھائی۔ اچھی طرح یاد ہے۔ اب بیتے ہوئے دنوں کا ذکر ہی کیا۔

غفور۔ ان دونوں کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں۔

حلیمہ۔ مجھے اس کا بہت خیال ہے۔ اب یہی تو ایک آرزو رہ گئی ہے۔ حبیب بڑا ذہین لڑکا ہے۔ مگر سلمیٰ میں ابھی بچپن ہے۔ وہ جوان ہو چکی ہے لیکن بچوں کی سی باتیں کرتی ہے۔

غفور۔ ان دونوں میں محبت تو ہے نا؟

حلیمہ۔ بہت محبت بھائی۔

غفور۔ تو حبیب گھر سنبھال لے گا۔

حلیمہ۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ میں ان دونوں کو کھیلتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں

لیکن میرے مرنے کے بعد۔

غفور۔ خدا تمھیں جیتا رکھے بھابی۔ میں جب اس گھر میں تمھیں دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے مرحوم دوست کا خیال آجاتا ہے۔ ہم یہیں چبوترے پر چلم پیتے ہوئے گھنٹوں گفتگو کرتے تھے۔

حلیمہ۔ جینے کی بھی ایک ہی رہی۔ اب کیا باقی ہے۔ دن گن رہی ہوں۔

غفور۔ اچھا تو ہم چلتے ہیں بھابی۔ خدا حافظ (پلٹ کر دیکھتے ہوئے) تو حبیب کو کل میرے ہاں بھیج دو۔ کل سے کام شروع ہو جائے گا۔ میں اب جا کر ذرا اپنی ناؤ کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ چار دن سے اس نے دریا کی صورت نہیں دیکھی۔ اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے رکھتا ہوں۔

حلیمہ۔ میں کل حبیب کو تمھارے ہاں ضرور بھیج دوں گی۔ اللہ نگہبان۔

---

[پردہ گرتا ہے]
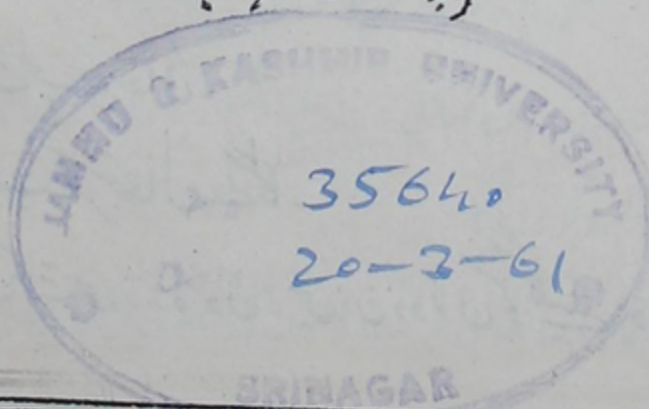
# تیسرا سین

[آگے آنگن میں مٹی کا چھوٹا سا چبوترہ۔ شام ہو چکی ہے، اندھیرا بڑھتا جا رہا ہے]

حبیب۔ شاید چچی ابھی نہیں آئیں۔

سلمیٰ۔ ہاں شام ہو گئی۔ جانے کیا بات ہے۔

حبیب۔ مچھلیاں نہیں بکی ہوں گی۔ اس لیے دیر ہو گئی۔ میں دیکھ آؤں بازار میں

سلمیٰ۔ نہیں بابا۔ میں اکیلی رہوں۔ میرا جی گھبرائے گا۔

حبیب۔ تو چراغ سلگا لو سلمیٰ۔

سلمیٰ۔ اچھی بات ہے (دالان میں جاتی ہے۔ قندیل دیکھ کر) اس میں تو تیل نہیں ہے

حبیب۔ تیل نہیں ہے۔ اندھیرے میں تم گھبرا جاؤ گی۔ اب میں نہیں جاؤں گا

مگر چچی اب تک کیوں نہیں آئیں۔

سلمیٰ۔ وہ آ رہی ہوں گی۔

حبیب۔ شام کو تھکے ماندے آ کر چچا اور بابا جان یہیں بیٹھا کرتے تھے۔

یہ چبوترہ گزرے ہوئے دنوں کا قبرستان ہے۔

سلمیٰ۔ تم کو آنکھ مچولی کھیلنا آتا ہے بھائی۔

حبیب۔ ہاں کیوں نہیں۔

سلمیٰ۔ آؤ آنکھ مچولی ہی کھیلیں۔ جب تک اماں جان آجائیں گی۔

حبیب۔ اندھیرے میں کیا؟ نہیں سلمیٰ کل کھیلیں گے۔

سلمیٰ۔ ارے توبہ اندھیرا ہے۔ میں بالکل بھول گئی تھی۔ اماں جان آنے کے بعد تو چراغ روشن ہوگا نا۔ کیا اندھیرا ہی رہے گا۔ کل صبح کیوں آج ہی کھیلیں گے۔

حبیب۔ ارے توبہ۔ چچی آنے کے بعد ضرور چراغ روشن ہوگا۔ میں بالکل بھول گیا تھا۔

سلمیٰ۔ وہ آرہی ہیں میری اماں۔

حبیب۔ ہاں چچی آرہی ہیں۔

سلمیٰ۔ آگئیں میری اماں (حلیمہ آتی ہے]

حلیمہ۔ ہاں بیٹا میں آگئی۔ مجھے آئے ہوئے دیر ہوگئی۔ تیل اور سودا لانے گئی تھی۔

سلمیٰ۔ اماں اندھیرے میں جی گھبرا رہا تھا بھائی تمھارے پاس آنا چاہتے تھے

میں نے انہیں روک لیا۔

حلیمہ۔ اچھا کیا بیٹا۔

حبیب۔ میں بڑا پریشان ہو گیا تھا چچی۔ شام ہو گئی اور تم نہیں آئے پریشانی کی بات ہی تھی نا۔

حلیمہ۔ نہیں بیٹا میں تو شام سے بہت پہلے آ گئی تھی۔

حبیب۔ ہمیں اس کی خبر نہیں تھی۔

حلیمہ۔ [تیل کا شیشہ دیتے ہوئے] سلمٰی یہ لو۔ چراغ میں تیل ڈالو اور اسے روشن کر دو۔ یہ دیکھو میں تم دونوں کے لئے کپڑے لائی ہوں۔

سلمٰی۔ آہا۔ ہمارے لال لال کرتے۔

حلیمہ۔ چراغ تو روشن کرو بیٹی۔ یہ لال کہاں ہیں یہ تو نیلے ہیں

سلمٰی۔ نیلے ہیں۔ آہا ہمارے نیلے نیلے قمیص۔

حبیب۔ چچی آپ اپنے لئے کچھ نہیں لائیں۔

سلمٰی۔ اپنے لئے مجھے ضرورت نہیں ہے بیٹا۔ جب تم کپڑے پہنو گے تو بس مجھے ایسا معلوم ہو گا میں نے ہی کپڑے پہنے ہیں۔ حبیب تم سے مجھے ایک بات کہنی ہے۔

حبیب ۔ ضرور چچی ۔

حلیمہ ۔ کل غفور بھائی کہہ رہے تھے کہ ناؤ کے لیے انھیں ایک آدمی کی ضرورت
ہے کیا تم یہ کام کرسکو گے ۔

حبیب ۔ میں ضرور کروں گا چچی ۔

حلیمہ ۔ ہاں ضرور کرو بیٹا ۔ تمہیں ناؤ کھینے کی عادت ہو جائے گی ۔ میرے پاس
کچھ روپے ہیں ۔ تم کو جو کچھ پیسے ملیں گے ۔ وہ بھی رہیں گے ۔ ہم ان سے
ایک ناؤ خریدیں گے ۔ پھر اپنے وہی دن آجائیں گے ۔

حبیب ۔ ہاں چچی ۔ ہم بہت جلد ایک ناؤ خرید لیں گے ۔

حلیمہ ۔ تو کل سے چلے جانا بیٹا ۔

حبیب ۔ بہت اچھا ۔

سلمیٰ ۔ حبیب بھائی کی ناؤ تو آج ڈوب گئی اماں ۔

حلیمہ ۔ ان کی ناؤ کو ڈوبے ہوئے تو بارہ سال ہو گئے بیٹا ۔

حبیب ۔ نہیں چچی میں نے آج ایک کاغذ کی ناؤ بنائی تھی یہ اس کے متعلق کہہ
رہی ہیں ۔

حلیمہ ۔ کاغذ کی ناؤ بھی کہیں تیری ہے ، کیسے ڈوب گئی ۔

حبیب ۔ جیسے آج سے بارہ سال پہلے ہماری ناؤ ڈوبی تھی ۔

سلمیٰ ۔ بھائی کہتے تھے کہ کل دوسری ناؤ بنائیں گے ۔

حلیمہ ۔ ہاں دوسری مگر کاغذ کی نہیں ۔

سلمیٰ ۔ آؤ حبیب بھائی آنکھ مچولی کھیلیں ۔

حبیب ۔ اچھی بات ہے ۔

حلیمہ ۔ ہاں تم دونوں کھیلو ۔ میں کھانا پکاتی ہوں ۔ تم بھوکے ہو گئے ہوں گے ۔

[ پردہ گرتا ہے ]

# چوتھا سین

[ دریا کے کنارے مگر دریا کی موجوں سے دور غفور اپنی ناؤ صاف کر رہا ہے ]

غفور ۔ رنگ کیسا خراب ہو گیا ہے ۔ اجی بڑی بی ۔ ذرا کپڑا پانی میں بھگو کے تو لا دو ۔

غفور کی بیوی ۔ دیکھو جی تم بڑی بی نہ کہا کرو ۔

غفور ۔ پھر کیا لڑکی کہوں

بیوی ۔ بڈھے ہو گئے اب تک مذاق کرنے کی لت نہ گئی ۔

غفور ۔ دیکھو جی تم بڈھا نہ کہا کرو ۔

بیوی ۔ بات پلٹنا خوب آتا ہے

غفور ۔ اچھا تو بات سنو گی یا نہیں

بیوی ۔ سن تو رہی ہوں ۔ ذرا اونچا سنتی ہوں تو کیا تم بہری سمجھنے لگے ۔

غفور ۔ توبہ توبہ میں تم کو بہری کہوں ۔ تمہارے کوسوں سے میں گونگا نہیں ہو جاؤں گا ۔

بیوی ۔ کیوں آج ناؤ صاف ہو رہی ہے کچھ کمانے کا ارادہ ہے ۔

غفور ۔ ہاں ارادہ تو ہے ۔

بیوی ۔ دیوانے ہو گئے ہو ۔ ناؤ کے ساتھ خود بھی ڈوب جاؤ گے ۔ دو قدم چلنا تو دوبھر ہے ۔ بڑے چلے ناؤ کھینے ۔

غفور ناؤ بہیر سے تھوڑی کھینتے ہیں ۔

بیوی ۔ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے تو ہاتھ تھرتھراتا ہے ۔ آپ چلائیں گے پتوار وہ بھی چڑھے دریا میں ۔

غفور۔ "گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے"

بیوی۔ اچھا تو آنکھوں سے پتوار چلانے کا خیال ہے۔

غفور۔ آنکھوں میں بھی اتنی طاقت نہیں۔ صرف دم رہ گیا ہے۔

بیوی۔ پھر یہ ناؤ صاف کیوں ہو رہی ہے؟

غفور۔(ذرا تاسف آمیز لہجہ میں) بات یہ ہے اسی ناؤ کے سہارے زندگی کٹی۔
اب اس چھوٹے ہوئے سہارے کو دیکھ کر جینے کا ارادہ ہے۔

بیوی۔ کاش صرف دیکھنے ہی سے کوئی جی سکتا۔

غفور۔ کہدوں مطلب کی بات۔

بیوی۔ میں بھی تو سنوں وہ ہے کیا۔

غفور۔ تم خوش ہو جاؤ گی۔

بیوی۔ واقعی تم خوش کرو گے۔

غفور۔ ہاں۔ سنو۔ ہمارا ایک دوست تھا۔ الماس۔ اس کا ایک بیٹا ہے حبیب۔

بیوی۔ تو اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔

غفور۔ حبیب ابھی چھوٹا ہی تھا کہ الماس مر گیا۔

بیوی۔ نھو۔ پھر تم نے مذاق شروع کر دیا اجی صاحب اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔

غفور۔ بات پوری سنو ۔ یہ ٹھیک نہیں رہے گا۔ تم خواہ مخواہ بیچ میں

کود پڑتی ہو۔

بیوی۔ ایک دوست مر گیا۔ اس کا بیٹا چھٹ پن میں یتیم ہو گیا۔ اور یہ سنا کر...

غفور۔ تو اس بچہ کو اس کی چچی نے پال لیا۔ تم نے پہچانا اس کی چچی کو۔

بیوی۔ ہاں عزیز کی گھر والی

غفور۔ ٹھیک۔ اس کی چچی نے کہا ہے کہ حبیب ہماری کشتی چلائے گا۔ اور ہم

اسے آمدنی میں سے کچھ دے دیا کریں گے۔

بیوی۔ تو پہلے یہ کیوں نہیں کہا؟

غفور۔ تم سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے تو داستان کو بڑھا دیتا ہوں

بیوی۔ دیکھو کوئی پچیس کے لگ بھگ قرض ہو گیا۔ اسی احساس سے دم گھٹا جاتا ہے

اب چلو اک آس تو بندھ گئی۔

غفور۔ حبیب بڑا شریف بچہ ہے۔

بیوی۔ کیوں نہ ہو جیسے ماں باپ ویسی اولاد۔

غفور۔ خدا تمہیں جیتی رکھے۔ کیا بات کہی ہے۔ [دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز]

کون؟

بیوی۔ پھر تم مذاق کر [دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز] کون ؟

حبیب۔ میں ہوں حبیب۔

غفور۔ آ گئے بڑی عمر ہے تمھاری تمھارا ہی ذکر کر رہے تھے ہم۔

بیوی۔ کان پکڑ لو بیٹا۔

[پردہ گرتا ہے۔]

# دوسرا ایکٹ

## پہلا سین

[حلیمہ کا گھر]

حبیب ۔ یاد ہے سلمیٰ ۔ ایک دفعہ تم نے دریا کنارے ریت کا گھروندا بنایا تھا ۔

سلمیٰ ۔ اور تم نے کاغذ کی ناؤ بنائی تھی ۔

حبیب ۔ تم نے کہا تھا میں ایک گھروندا بناؤں گی ۔

سلمیٰ ۔ اور تم نے کہا تھا ایسا گھروندا جس کو دریا کی لہریں نہ بہا سکیں ۔

حبیب ۔ کاغذ کی ناؤ ڈوبی تھی تو تم نے کہا تھا ایک دوسری ناؤ لا دو گے ۔

سلمیٰ ۔ ہاں مضبوط جو دریا میں ڈوب نہ سکے ۔

حبیب ۔ کتنے اچھے خواب تھے قوس قزح کی طرح رنگین، شہد کی طرح میٹھے

اب ہماری شادی ہو چکی ہے آخر ان خوابوں کی تعبیر مل گئی۔

سلمیٰ۔ خواب بھی رائیگاں نہیں جاتے۔

حبیب۔ زندگی نے ایک کروٹ لی۔

سلمیٰ۔ اماں جان آج بھی مچھلیاں بیچنے گئی ہیں۔

حبیب۔ ہاں زندگی ہمیشہ کروٹ بدلتی رہتی ہے سلمیٰ۔ ہم عنقریب ایک ناؤ خریدیں گے۔ پھر میں چچی کو مچھلیاں نہ بیچنے دونگا۔ میں ناؤ کھے کر جب تھکا ہارا گھر آؤں گا تو تم میرے لیے اچھے کھانے تیار رکھو گی۔ ہم کھائیں گے۔ چچی نے ہمارے لئے بہت محنت کی۔ اب ہم ان کے لیے ان کو سکھی رکھنے کے لیے محنت کریں گے سلمیٰ۔ ان کی محبت کا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں؟ یہی تو بس میں ہے؟

سلمیٰ۔ ہاں لیکن ناؤ آئے گی کہاں سے۔

حبیب۔ چچی مجھ سے کہتی تھیں کے ان کے ہاں کچھ روپے ہیں غفور چچا کی ناؤ کھے کر جو کچھ میں نے پیدا کیا وہ بھی ہے۔ شائد ان روپیوں سے ہم ایک ناؤ خرید سکیں۔ نہ بہت اچھی نہ بہت خراب۔

سلمیٰ۔ کتنے سکھ کے دن ہوں گے وہ۔ وہی ماحول۔ وہی فضائیں۔ جن کے

افسانے سنا کرتی ہوں۔

جبیب۔ ہاں وہی ماحول وہی فضائیں دریا کے طلاطم نے ہماری کشتی ڈبو دی تھی میرا باپ اسی غم میں مر گیا۔ میں اس کا بدلہ لوں گا۔ طوفان کے سینے پر اپنی ناؤ چلاؤں گا۔ تم نے دیکھا ہو گا میں دریا کنارے کتنا اداس ہو جاتا ہوں۔ ہاں اس اداسی میں بھی ایک انتقام کا جذبہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر موج مجھے چبا ڈالنا چاہتی ہے۔ ہمارے گھر کو تباہ کرنے کے بعد بھی شاید اسے چین نصیب نہ ہوا۔

سلمیٰ۔ چودھویں کی چاندنی تھی۔ میں اپنا اکتارہ لئے ہوئے دریا کنارے لہروں سے کھیل رہی تھی۔ میں نے دیکھا ایک ناؤ صنوبر کے سائیوں کو چھوتی ہوئی ساحل سے دور ہو رہی تھی وہ نرم و نازک تھپیڑوں کو لہروں میں حل کرتے ہوئے چلی جا رہی تھی۔ کیا قابل رشک منظر تھا وہ مجھے ہر موج میں انتقام سے زیادہ محبت کا جذبہ نظر آ رہا تھا۔ جیسے وہ کسی کو تباہ کر کے پشیماں ہے۔

جبیب۔ بڑی تسلی دیتی ہو تم۔ سلمیٰ۔ ہم جب ناؤ خریدیں گے تو کیا ہو گا۔ تم جانتی ہو؟

سلمیٰ ۔ ہاں ۔ ہم ناؤ کے مالک ہو جائیں گے ۔

حبیب ۔ ناؤ کے مالک تو ہو ہی جائیں گے لیکن جب چودھویں کی چاندنی چھٹکے گی تو ہم بھی ناؤ میں سیر کے لیے نکلیں گے ۔ ہماری ناؤ بھی صنوبر کے سایوں کو چھوتی ہوئی ساحل سے دور ہو رہی ہو گی ؟ قہقہے بھی لہروں میں حل ہو گئے کیا قابل رشک منظر ہو گا وہ ـــــ ہاں ہر موج میں اس وقت انتقام سے زیادہ محبت کا جذبہ نظر آئے گا ۔ جیسے وہ کسی کو تباہ کر کے پشیمان ہے ۔

سلمیٰ ۔ سچ ۔

حبیب ۔ ہاں میری سلمیٰ ۔ بالکل سچ ۔

سلمیٰ ۔ [ اظہار تمنا کے لہجہ میں ] کاش ہم جلد ناؤ خرید سکتے ۔

[ حلیمہ داخل ہوتی ہے اور حبیب اور سلمیٰ ادب سے کھڑے ہو جاتے ہیں ]

حلیمہ ۔ بیٹھو ۔ بیٹا تم لوگ ۔

حبیب ۔ کیا آج بھی تم مچھلیاں بیچنے گئی تھیں ۔ چچی

حلیمہ ۔ نہیں ۔ آج تو مچھلیاں بیچنے نہیں گئی تھی ۔ بات یہ ہے کہ میں نے تمھاری شادی کس قدر سادہ طریقے سے کی ۔ جی کے ارمان جی میں رہ گئے گو برادری میں چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں ۔ لیکن مجھے اس کی پروا نہیں ہے

میں نے یہ جتن اس لئے کئے کہ تم سکھی زندگی بسر کرو۔ ابھی میں نے ایک
ناؤ خریدی ہے ڈیڑھ سو میں۔ ہے پرانی لیکن پچیس تیس میں درست ہو جائے گی
یہ شادی کا تحفہ ہے جو میں نے اپنی زندگی کے سارے سرمائے سے تمہارے
لئے خریدا ہے۔

سلمیٰ۔ (خوشی سے) مل گئی ناؤ۔

حبیب۔ (خوشی اور غم کے جذبات لیے ہوئے) خدا کا شکر ہے۔

[پردہ گرتا ہے]

## دوسرا سین

(تلاطم خیز دریا کا کنارا)

حبیب۔ اوہو۔ موجوں میں کیا زور و شور ہے۔ مگر میں اپنی ناؤ چلاؤں گا۔
ملاح کہیں دریا سے ڈرتا ہے۔ آج تو کوئی ناؤ نہیں چل رہی ہے مگر میں تو
چلاؤں گا۔ انتقام۔ ہاں انتقام۔ اسی دریا نے میرے شفیق باپ کو
ہمیشہ کے لیے مجھ سے چھین لیا تھا۔ ایسا ہی تلاطم تھا ایسی ہی موجیں

میں بتا دوں گا کہ ڈوبے ہوئے باپ کا سرپھرا بیٹا کس طرح اپنی ناؤ کھیتا ہے۔

ایک ملاح۔ دیوانے ہو گئے ہو دریا سے کیا انتقام لوگے؟

حبیب۔ میں لوں گا انتقام۔ بہر حال مجھے واپس جانا چاہیئے۔ چچی نے مجھے ناؤ کا تحفہ دیا ہے۔ کیا میں اس تحفہ کو اس کنارے پر چھوڑ دوں۔

ایک ملاح۔ ارے بابا۔ ناؤ اس طلاطم کا کیا مقابلہ کرسکے گی۔

حبیب۔ نہیں کرے گی لیکن میں تو کروں گا۔

ایک ملاح۔ دیوانے بچے نادان نہ بن۔

حبیب۔ تمھاری ہمدردی کا شکریہ (دگاتا ہے)

نیا موری پار ——— نیا موری پار

.....................

.....................

.....................

.....................

مجھے نہ روکو میں دریا کا مقابلہ کرسکتا ہوں لیکن میری سلمیٰ ساحل کے سکون کا کس طرح مقابلہ کرے گی۔ موت کا طلاطم اور غم کا ساحل۔

ان دونوں میں کشمکش ہے ـــــ ملاح دریا سے نہیں ڈرتا میں اس طلاطم سے اپنی کشتی بچا کر لے جاؤں گا اور پھر کہوں گا سلمٰی سے دیکھو آخر میری جیت ہوئی ۔

ملاح ۔ (چلاکر) واپس آجا ـــــ منچلے نوجوان ۔ کیوں اپنی زندگی تباہ کرتا ہے

حبیب ۔ جب میں اس کنارے پر آیا ہوں دریا ساکن تھا۔ اب دریا چاہتا ہے کہ میں سلمٰی کے پاس نہیں جاؤں ۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی ۔

ملاح ۔ دریا کو اترنے دو ۔ چلے جانا ۔

حبیب ۔ ایسا نہیں ہو سکتا ۔ میں اپنی زندگی کو بچانے کے لئے سلمٰی کو پریشان نہیں کروں گا ۔ میں چلا ۔ (گاتا ہے)

نیا موری پار ـــــ نیا موری پار

ملاح ۔ وہ چلا گیا ۔ جوانی کا اندھا جوش ـــ وہ کہتا ہے انتقام لوں گا ۔ قدرت سے انتقام ۔ دیوانہ ہے ۔ محبت نے اسے طوفان میں ڈال دیا ۔ محبت کا خدا اس کے ساتھ ہے ـــــ اوہ اس کی ناؤ بھنور میں آگئی ـــــ ڈوب گیا بے چارہ ـــــ وہ کہتا تھا میں اپنی زندگی کو بچانے کے لئے سلمٰی کو پریشان

نہیں کروں گا۔ سلمیٰ سے اس کی حال میں شادی ہوئی تھی۔ اب وہ اس کی موت پر کس قدر پریشان ہوگی۔

[پردہ گرتا ہے]

# تیسرا سین

[حلیمہ کا گھر۔ بھیانک رات]

حلیمہ۔ دو دن ہوگئے اب تک حبیب کیوں نہیں آیا۔

سلمیٰ۔ رات کس قدر بھیانک ہے۔ میرا جی گھبرا رہا ہے اماں۔

حلیمہ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں کسی ساحل پر ٹھہر گیا ہوگا ورنہ وہ ضرور آجاتا۔

سلمیٰ۔ مگر وہ رکنے والے نہیں۔ وہ ضرور آجاتے۔

حلیمہ۔ خدایا میرے بچے کو صحیح سلامت لا۔

سلمیٰ۔ جانے کیوں دل میں عجیب وسواس آرہے ہیں۔

[قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے]

حلیمہ۔ قدموں کی آہٹ ہے۔ شائد وہ آگیا۔ دیکھو سلمیٰ۔۔۔ وہ بھیگ گیا ہوگا۔ اس کے لئے کپڑے نکالو۔

سلمیٰ۔ نہیں یہ تو چمگادڑ کی آواز ہے۔

حلیمہ۔ رات کتنی ڈراونی بنتی جارہی ہے۔

[کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی ہے]

سلمیٰ۔ یہ کتا کیوں رو رہا ہے۔ حبیب کے دشمنوں کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔

حلیمہ۔ نہیں بیٹی۔ خدا سے امید رکھنی چاہئے۔ وہ دکھیاروں کو دکھ نہیں پہنچاتا۔

سلمیٰ۔ ہم کتنے خوش تھے۔ نئی ناؤ ملی۔ ہماری زندگی کی سدھار کا پہلا دن۔ لیکن اس کی شام کس قدر غمناک۔ خدایا تو رحم فرما۔

حلیمہ۔ دریا اترے تو شائد وہ آجائے۔۔۔

سلمیٰ۔ خدا کرے لیکن ہر لمحہ کتنا طویل معلوم ہو رہا ہے۔

حلیمہ۔ ہاں بیٹا پریشانی میں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے)

حلیمہ ۔ دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے شائد حبیب آ گیا ۔

سلمیٰ ۔ مگر وہ دروازہ کیوں کھٹکھٹائیں ۔ وہ تو سیدھے چلے آتے ہیں

حلیمہ ۔ کون ہے ۔

ملاح ۔ جلد آؤ ایک ضروری بات کہنی ہے ۔

حلیمہ ۔ کون ہے دیکھو سلمیٰ ۔

ملاح ۔ سلمیٰ ۔

سلمیٰ ۔ ہاں اتنی رات گئے کیسے ۔ تم نے کہیں حبیب کو دیکھا ہے ۔

ملاح ۔ دیکھو دل تھام لو ۔

سلمیٰ ۔ جلد کہو کیا کہنا ہے ۔

ملاح ۔ دل سخت کر لو ۔ ۔ ۔ حبیب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حبیب ۔ ۔ ۔ ۔

اپنی ناؤ میں بہت دور چلا گیا ہے ۔ وہ اب کبھی نہیں آئے گا ۔

اس کا انتظار نہ کرو ۔

سلمیٰ ۔ کہاں گئے وہ ۔

( حلیمہ کی چیخ سنائی دیتی ہے )

ملاح ۔ بہت دور جہاں دریا کا تلاطم ختم ہو جاتا ہے ۔ جہاں غریب

ملاح پریشان نہیں رہتے۔ جہاں دنیا کی کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔

سلمیٰ۔ لیکن انھوں نے تو کہا تھا کہ چودھویں کی چاندنی میں مجھے ناؤ میں بٹھا کر سیر کرائیں گے۔

ملاح۔ ہاں وہ تمھارے پاس ہی گئے ہیں۔ لیکن تم ان کا انتظار نہ کرو۔ خدا حافظ۔

سلمیٰ۔ اماں جان اب حبیب کبھی نہیں آئیں گے۔

آواز دیجئے نا اماں ـــــ آپ بھی خاموش ہو گئیں۔

اب حبیب نہیں آئیں گے ـــــ

آپ نہیں سنتیں۔ خیر مضائقہ نہیں ـــــ

ـــــ میں چلی دریا کنارے ـــــ ریت کا گھروندا بنانے نہیں۔

اپنے حبیب سے ملنے ـــــ

آہ

(پردہ گرتا ہے)

ـــــ ❖ ـــــ

# قیدی

دو ایکٹ میں ایک دروآگیں تمثیل

دنیا میں سب مجرم ہی بستے ہیں۔ کوئی
ایسا آدمی تو بتاؤ جس کے ماتھے پر پاپ
کا دھبہ نہ ہو۔
کیا جرم وہی ہے جسے قانون جرم
کہہ دے؟——

# افراد

جمال ۔ ایک قیدی

زینب ۔ اس کی بیوی

منعم ۔ ایک مالدار شخص

منصور ۔ اس کا دوست

سنتری ۔ فقیر اور چند قیدی

وقت ۔ زمانۂ موجودہ

مقام ۔ ہندوستان کا ایک شہر

# قیدی

کاغذ کی ناؤ قدرت کی تباہ کاریوں کی داستان ہے۔ قیدی میں جس کی ناؤ منعم کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجاتی ہے۔ انسان اور قدرت دونوں شریک جرم نظر آتے ہیں جیل خانوں کا وجود انسانیت کے دامن پر ایک زبردست دھبہ ہے۔ اس کا احساس زیادہ تر پچھلی صدی میں ہوا جب کہ علوم عمرانی کے ماہرین نے دنیا کو بتلایا کہ خطا کاری حالات اور ماحول کی پیداوار ہے یعنی اگر کوئی شخص جرم کرتا ہے تو اس خیال سے نہیں کہ اسے جرم کرنا چاہئے جیسا کہ بعض شاعر شعر کہتے ہیں اس خیال سے کہ انھیں شعر کہنا چاہیے برخلاف اس کے کوئی صحیح العقل آدمی جرم کرتا ہے تو اس لئے کہ سماج اور قانون نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی ساری دنیا میں مجرموں اور قیدیوں سے ہمدردی کی ایک لہر سی دوڑ گئی جس سے اور کچھ نہیں تو جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ سلوک میں ایک انقلاب ضرور ہوگیا۔

صاحبزادہ میکش کا نثری خزینہ "قیدی" ایک ایسے شخص کی خونیں داستان ہے۔ جسے دولت نے اپنی بوالہوسی کی بھینٹ چڑھایا۔ قیدی نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا وہ مفلس تھا اس کا تصور افلاس تھا۔

ایک اور حقیقت جس پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک دفعہ قانون کی زد میں آجاتا ہے تو وہ جیل خانہ کے باہر کے ڈاکوؤں میں رہنے کے قابل نہیں رہتا اسے یا تو پھر جیل خانہ کی کنڈی کھٹ کھٹانی پڑتی ہے یا انتہائی مایوسی کے عالم میں قبر کا گوشہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔

مہر حسن

# پہلا ایکٹ

## پہلا سین

[ قید خانے کا پھاٹک ]

زینب ۔ پھاٹک کھولو انہیں چھوڑ دو ۔ میری زندگی کا آخری سہارا ٹوٹ رہا ہے ۔

سنتری ۔ پھاٹک کھول دو؟ گھر سمجھ رکھا ہے ۔ نکل یہاں سے ۔

زینب ۔ ارے ظالم انہیں چھوڑ دے ۔ مجھ دکھیاری پر دیا کر ۔

سنتری ۔ کہہ دیا نا کہ وہ چھوڑا نہیں جا سکتا ۔

زینب ۔ کیا دنیا کا یہی انصاف ہے ؟ کیا قانون اندھا ہے ۔ وہ بے گناہ تھے ۔
تم نے انہیں بے گناہی کی سزا دی ۔ ان کی فریاد رائیگاں گئی ۔

سنتری ۔ انصاف کے آگے جھوٹی فریاد ہر مجرم کیا کرتا ہے ۔ سچی فریاد کبھی رائیگاں
نہیں جاتی ۔

زینب ۔ انصاف ! کیا دنیا میں انصاف بھی ہے ؟ ان کا اکلوتا بیٹا ، ننھی سی جان

زندگی کا آخری سانس لے رہا ہے۔ اس کی معصوم روح کا واسطہ۔

سنتری۔ زیادہ شور نہ مچاؤ! جرم کمیں نہیں ہے۔ وہ اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے۔

زینب۔ ان کے دل کی ٹھنڈک کو مٹی کے سپرد کردوں؟ قید خانے میں جاتے وقت انھوں نے اس کے گلاب جیسے رخسار کو اپنے آنسوؤں سے دھویا تھا۔ انھوں نے کہا تھا۔۔۔۔۔۔

سنتری۔ (قطع کلام کرتے ہوئے) ہم داستان سننے کے لئے نہیں ہیں۔ ہمارا کام مجرموں کو انسان بنانا ہے (ڈنڈا دکھا کر) یہ ڈنڈا انھیں انسان بناتا ہے۔ سمجھیں! جاؤ اپنے گھر۔

زینب۔ تمھاری آنکھوں میں مروت نہیں۔ تمھارے سینے میں دل نہیں، اف۔ میں گھر جاؤں؟ اپنی بھری گودی خالی کرنے کے لیے (آہ کے ساتھ) اچھا میں چلی ——

اے خدا۔ دنیا کی ناانصافیوں کو دیکھ کر کیا تو نے بھی انصاف چھوڑ دیا؟ اس درندے کی جھڑکیوں سے زیادہ تیری خاموشی صبر آزما ہے

سنتری۔ کیا کہہ رہی ہے؟

زینب۔ میں تم سے کچھ نہیں کہہ رہی ہوں۔ آہوں سے کھیلنے والے ظالموں سے
مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔

سنتری۔ظالم۔کون ظالم۔ہم۔

زینب۔ ہاں تم۔ تمہارا جھوٹا قانون۔

سنتری۔ تیرا دماغ چل گیا ہے خوب شور مچا۔ خود ہی تھک جائے گی۔

زینب۔ ہاں میرا دماغ خراب ہوگیا ہے ——— اوہ میرا بچہ —میں چلی

[تھوڑی دیر خاموشی۔ قدموں کی آہٹ]

صرف ایک لمحہ کی انہیں اجازت دو۔ وہ اپنے بچہ کو دیکھ لیں گے۔ وہ مجرم
سہی لیکن آہ — میرے بچے نے کیا گناہ کیا ہے۔ میری زندگی مجھ سے
چھین لی جارہی ہے۔ میرے جسم میں صرف سانس رہ جائے گا ———
چھوڑدو میں تمہارے قدم چومتی ہوں

سنتری۔ (گرجدار آواز میں) نہیں۔نہیں۔نہیں۔

زینب۔ (آہستہ) نہیں — اچھی بات ہے۔

[قید خانے کا اندرونی حصہ]

**جمال**۔ صرف دو ہفتے رہ گئے رہائی کے لئے۔

**ایک قیدی**۔ بڑے خوش نصیب ہو تم۔

**جمال**۔ رہائی ماتھے پر سے پاپ کا دھبہ نہیں دھو سکتی دوست؟ قید خانے کی اونچی دیواریں ہی ہماری کھوئی ہوئی عزت کا صلہ ہیں۔

**دوسرا قیدی**۔ ارے میاں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ دنیا میں سب مجرم ہی بستے ہیں کوئی ایسا آدمی تو بتاؤ جس کے ماتھے پر پاپ کا دھبہ نہ ہو؟

**جمال**۔ لیکن جرم وہی ہے جسے قانون جرم کہہ دے۔ کتنے خطرناک مجرم عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور کتنے معصوم اپنی بے گناہی کی سزا پا رہے ہیں

**دوسرا قیدی**۔ ہاں بابا۔ اور اسی کا نام رکھ دیا ہے انصاف۔ دھوپ، شاداب پھولوں ہی کو جلاتی ہے۔ مرجھائے ہوئے پھولوں پر اس کا

کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

جمال۔ صرف ایک ہی خیال ہے جس کے سہارے میں اپنی ذلت کو بھی گوارہ کروں گا۔ اور وہ صرف اپنی بیوی اور بچے کا خیال ہے۔ میرا بچہ۔ وہ کلی جو ابھی نورس تھی کھل کر پھول بن گئی ہوگی۔ رنگین اور شاداب۔ میں اپنے اس بچے سے ملنا چاہتا ہوں وہ اپنی دکھیاری ماں سے گھڑی گھڑی پوچھتا ہوگا کہ میرے بابا کہاں ہیں؟ لیکن آہ۔ وہ کیا کہتی ہوگی۔ آہ اس کا باپ تو مجرم ہے۔

پہلا قیدی۔ تم بڑے حساس معلوم ہوتے ہو؟

جمال۔ میں۔ میں۔ زمانے کی کروٹوں نے مجھے ایسا کر دیا۔ ذرا تصور تو کرو؟ رہائی کے بعد ہمیں دیکھ کر دنیا والے کیا کہیں گے۔ مجرم۔ پاپی کیا ہمارے لئے کوئی جگہ ہوگی۔ ہر شخص ہمارے سائے سے بھی بچے گا۔ ایسی زندگی۔ اف۔ میں اس احساس ہی سے کانپ جاتا ہوں۔

پہلا قیدی۔ تم نے ٹوٹے ہوئے تاروں کو چھیڑ دیا۔

دوسرا قیدی۔ دنیا کتنی بدل گئی ہوگی۔

[گھنٹی کی آواز]

دوسرا قیدی ۔ چلو قید خانے میں بھی روٹی پہلے ۔ اس کے بعد سب کچھ ۔

[پردہ گرتا ہے]

# تیسرا سین

## قبرستان

زینب ۔ موت! کیا تیرا قانون بھی اندھا ہے ۔ تو نے کسے آزاد کیا؟ ایک ایسے قیدی کو جس کی میعاد قید ابھی پوری نہیں ہوئی تھی ۔ ہم کب تک زندگی کی قید کاٹیں ۔ کیا ہمیں آزادی نصیب نہیں ہوگی ۔ میں تنہا اس قید خانے میں نہیں رہ سکوں گی ۔ مجھے بھی آزاد کر ۔ ننھے قیدی نے کس قدر جلد رہائی حاصل کر لی ۔ کتنا غیور تھا وہ ۔ شائد اس کا گناہ سنگین نہیں تھا ۔ اس مٹی کے ڈھیر نے میرے دل کے ٹکڑے کو اپنے سینے میں رکھ لیا ۔ میرے لال کا تبسم اس گلاب میں بس گیا ہے جو میں نے اس کی قبر پر چڑھایا ہے ۔ اب فرشتے اس کو جھلائیں گے

حوریں لوریاں دیں گی — سو جا بابا — یوں ہی سوئے جا —

..............................

رات ہے وہ ڈر جائے گا۔ مگر یہ تارے؟ ننھے ننھے تارے میرے ننھے ننھے لال کے لئے ہی تو نکلے ہیں۔ وہ ان تاروں میں کھیل رہا ہے میں دیکھ رہی ہوں اس کی روح کو۔ وہ آسمان پر چاند کی کرنوں میں سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ (ایک جگنو نظر آتا ہے)

..............................

تو کیوں آیا۔ جگنو —

..............................

ارے میں کیا کہہ رہی ہوں کس سے کہہ رہی ہوں —
یہاں تو کوئی نہیں — دنیا میں کوئی کسی کی نہیں سنتا۔

..............................

یہ میری مسرتوں اور امیدوں کی قبر ہے۔ میرے لال کی قبر۔
فقیر۔ (چلم کا ایک کش لے کر) مسرتیں اور امیدیں — کس کی مسرت، کس کی امید ہر امید ایک دور کی آواز ہے جو پھر کبھی نہیں سنی جاتی

ہر مسرت ایک امید ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ دیوانی۔ چہرے دھوکا دیتے ہیں۔ آسودگی کی نیند کے لئے کتنی کروٹیں بدلنی پڑتی ہیں ـــ قہقہہ کو مسرت کہہ دو لیکن ہر قہقہہ غم میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے ـــ آہ مسرت

زینب۔ دنیا کی ہر آواز میرے دل کی آواز ہے۔ دکھ بھری اور دردناک۔ کیا میری آہوں سے یہ ماحول بنایا گیا ہے۔

فقیر۔ (جاتے ہوئے) مسرت کیسی مسرت؟ ـــ امید کس کی امید۔

# دوسرا ایکٹ

## پہلا سین

[جمال کا بوسیدہ گھر]

جمال۔ (دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ آواز نہیں آتی) شائد وہ سو رہی ہے۔
(اندر چلا جاتا ہے) زینب میں آگیا۔ میں آزاد ہوں۔ بے گناہی کا خمیازہ
بھگت چکا (آواز نہیں آتی) ——— ارے یہاں تو کوئی نہیں ———
شاید باہر گئی ہے۔ آتی ہی ہوگی ———
ہر طرف سے زہریلی نگاہیں۔ مجھے اپنا مرکز بنا رہی ہیں۔ راستے میں وہ
کہہ رہا تھا۔ آئندہ سے احتیاط کرنا۔ اپنا نہ سہی خاندان کی شرافت کا
تو خیال رکھو ——— دھوکا۔ قدم قدم پر دھوکا۔ میں نے کیا گناہ کیا
تھا۔ دولت نے میری "نیکی" کو جرم بنا کر پیش کیا۔ قانون نے اسکی تائید کی

اور دنیا نے مجرم کہہ دیا ——

کیا وہ نہیں آئے گی۔ شام ہو گئی ——

(ایک آدمی بیل لئے ہوئے داخل ہوتا ہے)

آدمی۔ ہے ہے ہے۔ کدھر بھاگ رہا ہے بے وقوف تیری جگہ ادھر ہے۔

جمال۔ تم کون؟

آدمی۔ ارے میں "راموں" ہوں۔ آ گئے میاں تم۔ کیوں آئے قید خانے ہی

میں رہتے۔

جمال۔ کیوں "راموں" کیا تو بھی مجھ سے بیزار ہے۔

آدمی۔ میں کیوں بیزار ہوں میاں کھوٹی قسمت تم سے بیزار ہے۔

جمال۔ خیر یہ تو بتاؤ کہ زینب کہاں ہے؟

آدمی۔ اے میاں وہی تو کہہ رہا ہوں کہ تم کیوں آئے۔ ٹھیرو ذرا بیلوں کے

سامنے کڑبی تو ڈال دوں۔

ارارے مر رہا ہے کھانے کو کنگال۔

جمال۔ یا الٰہی۔ کیا ماجرا ہے۔

آدمی۔ میاں اس گھر میں تو اب لالہ جی کے بیل رہتے ہیں۔ تمہیں خبر نہیں شائد

جمال۔ جرم نے تو مجھے دنیا سے بے خبر رکھا ہے رامو۔ میں ترس ترس گیا۔
کہاں ہے زینب بتاوے بھائی۔ میں تین سال کے بعد آیا ہوں۔
کیا اس نے یہ گھر چھوڑ دیا۔ میرا بچہ تو اچھا ہے نا۔

رامو۔ ارے تم کو بالکل خبر نہیں۔

جمال نہیں بھائی۔ میں سیدھے قید خانے سے آرہا ہوں۔

رامو۔ زینب کا کئی دن سے کوئی پتہ نہیں۔ سنا تھا دیوانی ہوگئی ہے۔

جمال۔ دیوانی ہوگئی۔

رامو۔ ہاں ۔ اور اب تو۔ اس کا ذکر بھی نہیں سنائی دیتا۔

جمال۔ اور میرا بچہ۔

رامو۔ پھر وہ دیوانی کس لئے ہوئی تھی۔

جمال۔ میں نہیں سمجھا رامو جلد بتا۔

رامو۔ میاں بچے نے تو اس کی گود خالی کردی۔ اسی غم میں اس کا دماغ
چل گیا۔

جمال۔ قانون اور قدرت ــــ اچھا ــــ (جاتا ہے)

رامو۔ اب رات کہاں جاؤ گے۔ لالہ جی سے پوچھ کر یہیں پڑھ رہو نا۔

جمال۔ لالہ جی تمہارے۔ بڑے دولتمند ہیں وہ۔ ممکن ہے۔ میرا سانس بھی جرم بنا دیا جائے۔ خدا تجھے خوش رکھے رامو (جاتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

# دوسرا سین

[ایک بڑا اور آراستہ مکان]

منصور۔ جمال رہا ہو گیا۔ بے چارہ بے گناہ قیدی۔

منعم۔ رہا ہو گیا۔ کیا وقت کو پر لگ گئے ہیں۔ اتنا جلد۔ خیر میں نے انتقام لے لیا۔

منصور۔ (طنز سے) کاہے کا انتقام۔ بے گناہی کا انتقام۔

منعم۔ بے گناہی؟۔ پہاڑ سے ٹکرانا آسان نہیں ہے دوست۔ اس لئے میری آرزوں کا خون کیا تھا۔ اب اسے معلوم ہو چکا ہو گا کہ منعم کی راہ میں حائل ہونا کھیل نہیں؟

منصور ۔ اس نے آخر کیا کیا تھا؟

منعم ۔ کیا کیا تھا ۔ جان کر انجان نہ ہو ۔

منصور ۔ ہوں ۔

منعم ۔ اس نے مجھ سے میری روح چھین لی ۔ ایک عورت دنیا کی حسین ترین عورت جمال نے اس سے شادی کر لی اور وہ اس کے آغوش میں مسکراتی ہوئی چلی گئی ۔ میں ۔ اور میرا اونچا محل میری دولت کے ڈھیر کچھ نہ کر سکے ۔

منصور ۔ کچھ نہ کر سکے ؟ تم نے ایک مقدس دولت پر ڈاکہ ڈالا ۔ ڈاکو بچ گیا اور محافظ نے سزا پائی ۔ کس منہ سے کہتے ہو اب کچھ اور باقی ہے ؟

منعم ۔ بہت کچھ ۔ قانون نے اسے مجرم قرار دیا اور قدرت نے اس کی تائید کی

منصور ۔ قانون ۔ قانون تو دولت کے اشاروں پر ناچتا ہے ۔ انصاف بکتا ہے ۔ منعم ۔ جو قیمت ادا کرے وہ انصاف لے ۔ یہ دنیا کا دستور ہے

منعم ۔ ایسا ہوتا تو ۔

منصور ۔ روپیوں کی جھنکار میں ضمیر کی آواز نہ سننے والے ہمیشہ سکھی رہے ہیں ۔

صداقت اور نیکی ہمیشہ سزاؤں اور مصیبتوں میں پلی ہے۔ کیوں؟ قانون نے
تم کو اب تک کیوں آزاد رکھا ہے۔ درندگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے۔ تم
دن دھاڑے وہ سب کچھ کرتے ہو جو ایک رہزن رات کی تاریکی میں بھی نہیں
کرسکتا۔ کہاں رہتا ہے تمہارا قانون؟

منعم۔ دیکھو تم شخصی حملے کرنے لگے۔

منصور۔ میں ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا ہوں۔ اندر ہی اندر ایک زخم
پک رہا تھا تم نے آج اسے نشتر لگایا۔ صاف گوئی سے میں نہیں چونکتا۔
تم ڈھلتی چھاؤں کے سہارے ہر ایک کو اندھا نہیں بنا سکتے۔ تمہاری
دولت ہر ایک کو خیرہ نہیں کرسکتی۔ وہ زمانہ قریب آرہا ہے جب تمہارے
محلوں پر غریبوں کی جھونپڑیاں بنائی جائیں گی۔ غریبوں کا انتقام۔۔۔
بڑا سخت ہوتا ہے منعم۔

منعم۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) کیا بیوی سے لڑ کر آئے ہو۔

منصور۔ یہ مذاق کا وقت نہیں ہے ۔۔۔ وہ زمانہ قریب آرہا ہے جب ایک
نیا قانون چلے گا جس کی زد میں سب سے پہلے تم آؤ گے۔

منعم۔ میں آؤں گا۔ (قہقہہ)۔

منصور۔ ہاں تم آ وگے۔ تمھارا سب سے بڑا جرم تمھاری دولت ہوگی۔

منعم۔ کوئی ہے ادھر آؤ۔

منصور۔ کیا اس پاپ کے مندر سے مجھے نکلواؤ گے؟ اچھا ہے۔ میں خود ہی چاہتا ہوں ملازم (ڈرتے ڈرتے آتا ہے)

منعم۔ صاحب کے لئے پانی لاؤ۔

منصور۔ (کرسی سے اٹھتے ہوئے) پانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ خون کے گھونٹ میری پیاس بجھا رہے ہیں۔ خدا تمہیں نیک توفیق دے۔

منعم۔ ٹھیرو کہاں چلے؟

منصور۔ بے پر کو جال میں پھانس کر تیس مار خاں بنے بیٹھے ہیں۔

---

# تیسرا سین

[قیدخانہ]

ایک قیدی۔ اوہو۔ پھر تم آگئے۔

جمال۔ ہاں میں آگیا۔ آگیا۔ ان اونچی دیواروں میں اطمنان سے سانس

لینے کے لئے واپس آگیا۔

دوسرا۔ شاید دشمنوں نے اب بھی چین لینے نہیں دیا۔

جمال۔ کون دشمن ؟ دشمن کوئی نہیں ۔ میں اپنی مرضی سے واپس ہوا ہوں ۔
اب کی دفعہ میں نے جرم کیا ۔ جان بوجھ کر جرم کیا۔ اس لئے کہ میں اس
وسیع قید خانے سے جلد رہائی حاصل کروں ۔ جہاں کی زہریلی نظریں
ان زنجیروں سے زیادہ سنگین ہیں جو اب میرے پاؤں میں پڑی ہیں۔

دوسرا۔ جرم کیا ؟

جمال۔ ہاں جرم ۔ دنیا کا ذرّہ ذرّہ مجھے اژدہا بن کر ڈس رہا تھا۔ میں دوزخ کی
بھڑکتی ہوئی آگ میں جل رہا تھا ۔ میں برداشت نہ کر سکا۔ اپنی کھوئی
ہوئی جنت کو حاصل کرنے کے لئے میں نے جرم کیا۔

پہلا قیدی ۔ کونسی کھوئی ہوئی جنت ۔

جمال ۔ یہی ہمارا قید خانہ ۔ جہاں ہم ایک دوسرے کو رحم کی نگاہوں سے
دیکھتے ہیں ۔ جہاں ہر آدمی ایک ہی آگ میں جل رہا ہے ۔ جہاں
دولت و غربت ، جرم و معصومیت کا کوئی سوال نہیں ۔ جہاں مکاری
ہے نہ پریشانی ۔

۔ تین سال کے بعد میں نے اس دنیا کو دیکھا، جہاں سے میں نکالا گیا تھا۔ میں چوری کے الزام میں قید کیا گیا تھا۔ آزادی ملنے کے بعد میں نے دیکھا کہ میری دنیا لوٹی جا چکی ہے لیکن لٹیروں کا کہیں پتہ نہیں میری دنیا لوٹ لی گئی — میں نے اب کی دفعہ واقعی چوری کی۔

دوسرا۔ واقعی۔

جمال ۔ واقعی۔ اس لئے کہ میں اپنی دنیا کھو کر ایک ہی چیز پا سکتا تھا۔ اور وہ یہ مقام ہے۔ اس کے در و دیوار سے مجھے محبت ہے۔ میں یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ میں یہیں رہوں گا۔

---

# تماشائے اہل کرم

ایک ایکٹ میں حزنیہ

سمندر پانی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، ریگستان تک
اس کی ایک بوند بھی نہیں ٹھرتی۔

## افرادِ ڈراما

ظفر — ایک نوجوان بیرسٹر۔

جمیلہ — اس کی نوجوان بہن۔

فرید — ان کا نوجوان ملازم

نرگس۔ ان کی نوجوان خادمہ

وقت۔ موجودہ زمانہ

مقام۔ حیدرآباد

# تماشائے اہل کرم

محبت تو شائد کچھ لوگ کر بھی لیتے ہیں لیکن محبت کے سمجھنے والے کتنے ہیں
اس تلخ حقیقت سے سب واقف ہیں۔ انسان تجربہ سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ لیکن
محبت کے معاملے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجربہ کار بھی جہاں تک دوسروں کے جذبات
اور احساسات کا تعلق ہے کورے ہی رہتے ہیں۔ یہ بات ماں باپ اور عزیزوں کی
سمجھ ہی میں نہیں آسکتی کہ ان کی اولاد کو کسی سے محبت بھی ہوسکتی ہے۔ ایسے لوگ
بھی اسی زمرہ میں شامل نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں خود محبت کی تھی۔
محبت میں رکاوٹ طبقہ اور درجہ کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لڑکا
دولت مند ہے اور لڑکی نادار صورت حال اس کے برعکس ہے تو کیا ہوتا ہے اگلے صفحات
میں دیکھئے ——— اور فرمائیے کہ "تماشائے اہل کرم" زندگی سے کس قدر
قریب ہے۔

میرحسن

# پہلا سین

[جمیلہ کا کمرہ ۔ جمیلہ، فرید سے کمرہ صاف کروا رہی ہے]

جمیلہ ۔ (غصہ سے) ارے تو گھورتا کیوں ہے ۔ میز ادھر رکھ ۔

فرید ۔ جی بہت اچھا ۔

جمیلہ ۔ ادہر ۔ یہاں ۔ یہاں ۔

فرید ۔ جی ۔ یہاں ؟

جمیلہ ۔ بے وقوف تیرے سر میں بھیجا بھی ہے کہ نہیں ۔

فرید ۔ جی ۔ جی ۔

جمیلہ ۔ جی ۔ جی کیا بک رہا ہے ۔ ہاں ہاں بہیں ۔ رہنے دے ۔ وہ کرسی لے آ ۔

فرید ۔ یہ ۔

جمیلہ ۔ ہاں ۔ صوفے پر سے گرد صاف کر ۔

فرید ۔ بہت اچھا ۔

جمیلہ۔ اوہ، میری آنکھوں میں گرد آ رہی ہے۔

فرید۔ معاف کیجئے۔ غلطی ہوئی (ہاتھ روک لیتا ہے)

جمیلہ۔ میں نے تجھ سے کیا کہا تھا فرید۔

فرید۔ جی۔ آپ کی آنکھ۔

جمیلہ۔ بے وقوف تجھ سے کہا تھا کہ گرد جھاڑ دے۔

فرید۔ جی (پھر کپڑے سے صوفہ صاف کرنے لگتا ہے)

جمیلہ۔ پھر تو مجھے گھورنے لگا۔

فرید۔ جی۔ جی۔ جی نہیں۔

جمیلہ۔ تو میں جھوٹی ہوں۔

فرید۔ جی نہیں۔

جمیلہ۔ تیرے ڈیڈی سے کہہ دوں گی۔

فرید۔ آپ کا اختیار ہے۔

جمیلہ۔ بے ادب۔

(فرید جمیلہ کو پھر گھورنے لگتا ہے اور جمیلہ منہ پھیر لیتی ہے)

فرید۔ آہ

(جمیلہ۔ گہری سوچ میں پڑجاتی اور فرید صوفہ صاف کرتا ہے۔)

جمیلہ۔ گلدان کے لئے پھول لے آ۔ میں نے باہر کے کمرے میں رکھے ہیں۔

(فرید کمرے سے باہر جاتا ہے)

جمیلہ۔ (آپ ہی آپ) اس کی نگاہیں۔ اُفوہ۔ نگوڑا مجھے کس چاہ سے گھورتا ہے
دمڑی کا نوکر اور مجھے اس طرح گھورے۔ نہیں ہوسکتا۔ ایسا کبھی نہیں
ہوسکتا۔ بے ادب کہیں کا۔ (فرید داخل ہوتا ہے)

فرید۔ یہ پھول گلدان کے لئے اور یہ۔

جمیلہ۔ اور یہ۔

فرید۔ اور یہ ـــــ جی۔ اور یہ (نیچے دیکھتے ہوئے) آپ کے لئے۔

جمیلہ۔ میرے لئے۔ تجھ سے کس نے کہا تھا۔ میرے لئے تو کیوں لے آیا۔

فرید۔ میرے دل نے کہا۔ ہاں یہ آپ ہی کے لئے ہے۔

جمیلہ۔ تیری بد زبانی بڑھتی جارہی ہے۔

فرید۔ آپ اسے مسل کر پھینک دیجئے۔

جمیلہ۔ کیا کہا۔

فرید۔ بی بی۔ غریب کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں بھی

دیکھ سکتی ہیں۔

جمیلہ۔(شرما کر) میں جانتی ہوں۔

فرید۔آپ جانتی ہیں۔خدا کا شکر ہے۔کیا آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔

جمیلہ۔کیا مطلب ہے تیرا۔

فرید۔میرا مطلب صاف ہے بی بی۔میری لگاہیں، میرے دل کی دھڑکنیں آپ کو بتاتی ہیں کہ میرا کیا مطلب ہے۔آپ انجان نہ بنیے۔

جمیلہ۔میری نرمی سے تو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے؟

فرید۔میں۔میں۔میں تو کئی دن سے یہی کہنا چاہتا تھا۔ایک غریب شائد محبت نہیں کر سکتا۔

جمیلہ۔فرید

فرید۔بی بی۔

جمیلہ۔نکل میرے سامنے سے۔

(فرید باہر چلا جاتا ہے)

(آپ ہی آپ) کتنا بیوقوف ہے وہ۔پرچھائیوں کا شکار کھیلنے نکلا ہے۔

وہ سمجھتا ہے جس کسی کے سینے میں دل ہو۔ جس کسی کی آنکھ دیکھ سکتی ہو۔
وہ محبت کر سکتا ہے۔ کر سکتا ہے لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میرے ٹکڑوں
پر پلنے والا مجھ سے اظہار محبت کرے۔ وہ اپنی حیثیت کو بھول رہا ہے۔

(فرید آہستہ سے داخل ہوتا ہے)

فرید۔ میں اپنی حیثیت کو نہیں بھولا بی بی۔ میں جانتا ہوں آپ دولتمند
ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میں غریب ہوں۔ لیکن جس آگ میں میں جل
رہا ہوں وہ جھونپڑے سے نکل کر محل کو بھی اپنے لپکوں میں لینا چاہتی
ہے۔ میں مجبور ہوں بی بی۔ بالکل مجبور۔ غریب کی آہ بے قیمت سہی
لیکن وہ بھی آہ ہوتی ہے۔

جمیلہ۔ زیادہ بک بک نہ کر۔ میں نے تجھے کہہ دیا تھا نا کہ میرے سامنے نہ آ۔
تو پھر کیوں آیا۔

فرید۔ اس لئے۔

جمیلہ۔ دور ہو میری نگاہوں سے۔

(فرید باہر چلا جاتا ہے۔)

---

# دوسرا سین

[ظفر نرگس سے اپنا کمرہ صاف کروا رہا ہے]

ظفر۔ کیوں نرگس۔ وہ میز یہاں ٹھیک رہے گا نا۔

نرگس۔ جی ہاں میاں لاؤں اسے۔

ظفر۔ ٹھہر جا میں ہی اسے لاتا ہوں۔

نرگس۔ جی وہ وزنی ہے۔

ظفر۔ (ہنستے ہوئے) اسی لئے تو میں لاؤں گا۔ نرگس مجھے معلوم ہے کہ تو عورت ہے۔ اور عورت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے میز اٹھوایا جائے

نرگس۔ میاں میز پر یہ کپڑا ڈال دوں۔

ظفر۔ ہاں۔ تجھے جو بھلا معلوم ہو۔ وہی اس میز پر بھلا معلوم ہوگا ہے نا

نرگس۔ جی۔

ظفر۔ دیوانی۔

نرگس ۔ میں نے کیا قصور کیا ۔ میاں ۔

ظفر ۔ تو نے ۔ تو نے بڑا قصور کیا ۔

نرگس ۔ میں نے نہیں کیا ۔ میاں ۔

ظفر ۔ ہاں تو نے کچھ نہیں کیا

نرگس ۔ ارے ۔

ظفر ۔ تو یہ جانتی ہے نرگس ۔ اچھا پہلے تو اس صوفے پر بیٹھ جا ۔

نرگس ۔ جی ـــــ جی نہیں ۔

ظفر ۔ بیٹھ جا ۔

نرگس ۔ جی

ظفر ۔ ( بناوٹی غصہ کے لہجہ میں ) بیٹھ جا ۔

نرگس ۔ جی ۔ ( بیٹھ جاتی ہے ۔ ظفر باز و بیٹھتا ہے ۔ نرگس کھڑی ہو جاتی ہے ۔ )

ظفر ۔ ہوں ۔

( نرگس بیٹھ جاتی ہے )

ظفر ۔ اب ٹھیک ہے ۔

نرگس ۔ لیکن میں آپ کے گھر کی چھو کری ہوں ۔ مجھے زیب نہیں دیتا

ظفر۔ دنیا کے ہر انسان سے زیادہ تجھے یہ زیب دیتا ہے۔ ایک بات
پوچھوں تجھ سے نرگس۔

نرگس۔ جی۔

ظفر۔ صحیح جواب دوگی نا!

نرگس۔ جی۔

ظفر۔ تو محبت کا جواب کس طرح دے گی۔

نرگس۔ میں آپ کا مطلب سمجھی نہیں۔

ظفر۔ اگر کوئی تجھ سے محبت کرے تو تو کیا کرے گی۔

نرگس۔ غریبوں سے محبت نہیں کی جاتی؟

ظفر۔ کس نے کہا۔

نرگس۔ غربت نے کہا۔

ظفر۔ غلط کہا۔

نرگس۔ غلط ہی سہی لیکن واقعہ ہے۔

ظفر۔ ارے تیری آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے۔

نرگس۔ جانے دیجئے میاں۔ ان باتوں کو چھوڑئے۔

ظفر۔ اچھا دوسری بات پوچھوں۔

نرگس۔ مگر وہ ایسی نہ ہو۔

ظفر۔ تُو شادی کس سے کرے گی۔

نرگس مجھ جیسے ایک غریب سے جو کھلائے کم اور بھوکا زیادہ رکھے۔

ظفر۔ کس لئے۔

نرگس۔ ایک غریب سے غریب کی ہی شادی ہو سکتی ہے۔ مگر کیسی باتیں پوچھ رہے ہیں آپ۔

ظفر۔ اچھا۔ اگر میں تم سے شادی کرنا چاہوں تو ـــ بولو کیوں شرما رہی ہو۔

نرگس۔ ناممکن۔

ظفر۔ میں تم پر مرتا ہوں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میرے دل میں آگ لگی ہے۔ تم ہی اس آگ کو بجھا سکتی ہو۔

نرگس۔ آپ اپنے رتبے کو بھول رہے ہیں۔ ہاں۔ ہوش میں آئیے۔ آپ ایک دمڑی کی باندی سے گفتگو کر رہے ہیں۔

ظفر۔ میں کچھ نہیں بھولا۔ میں جانتا ہوں کہ میں دولت مند ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ایک غریب لڑکی ہے۔ لیکن محبت ان باتوں کو نہیں

دیکھتی وہ اندھی ہوتی ہے۔

(نرگس کمرے سے بھاگ جاتی ہے)

(آپ ہی آپ) بجلی کی طرح غائب ہوگئی۔ میں نے اسے روکا بھی نہیں

کتنی حسین ہے وہ۔ کتنی معصوم۔

[پردہ گرتا ہے]

## تیسرا سین

جمیلہ۔ بھائی جان کس سوچ میں ہیں آپ۔

ظفر۔ جم میں یہ سوچ رہا ہوں کہ غربت اور دولتمندی میں جو ذہنی خلیج ہے وہ کس طرح دور کی جاسکتی ہے۔

جمیلہ۔ آخر اس کو دور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

ظفر۔ یہ خوب رہی۔ ضرورت کیوں نہیں ہے؟

جمیلہ۔ اس لیئے نہیں کہ دولت مندی اور غربت میں ہمیشہ خلیج حائل ہی رہے گی۔

ظفر۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خلیج حائل نہ رہے۔

جمیلہ۔ آپ کے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

ظفر۔ انسان اگر چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔

جمیلہ۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

ظفر۔ غربت کے دل سے احساس پستی اور امارت کے دل سے غرور برتری نکل جائے تو ایک ایسی سطح تیار ہو گی جہاں محلوں کے مینار و گنبد اور جھونپڑیوں کے خار و خس میں ایک ہی بلندی ہوتی ہے، یہاں قیمتی لباس کی چمک اور پھٹے ہوئے کمبل کے پیوند میں فرق نہیں ہوتا۔ جہاں مرغن غذاؤں اور جوار کی روٹی کے سوکھے ٹکڑوں میں ایک ہی مزا آتا ہے۔ دلوں کو ملانے کی ضرورت ہے؟

جمیلہ۔ اچھا تو آپ بھی اسی خبط میں مبتلا ہیں جس کو "فیشن" سمجھ کر نوجوانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

ظفر۔ تم خبط سمجھ رہی ہو۔ میں اپنے تصورات کو کدال اور ہل پر نچانا نہیں چاہتا۔ میں پرچم انقلاب لئے ہوئے جہنم کے شراروں کو دعوت آتش زدگی دینا نہیں چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ دنیا کے سارے

امتیازات کا مٹا دینا ممکن ہے۔ بلکہ میں ایک احساس چاہتا ہوں جو انسان سے زندگی چھین لے۔ وہ سمجھنے لگے کہ دنیا کا ہر انسان اُس جیسا ہی انسان ہے۔

جمیلہ۔ آپ انسانی مساوات چاہتے ہیں نا۔
ظفر۔ ٹھیک ہے میں یہی چاہتا ہوں۔
جمیلہ۔ ہوں۔
ظفر۔ تو سب سے پہلے میں خود اس کا ثبوت دوں گا۔ سماج حائل ہوگی ضرور۔ لیکن میں اس کی پرواہ نہ کروں گا۔
جمیلہ۔ کیا کریں گے آپ۔
ظفر۔ میں۔ میں کیا کروں گا جم۔ میں نرگس سے شادی کروں گا۔
جمیلہ۔ نرگس سے۔
ظفر۔ ہاں نرگس سے۔
جمیلہ۔ گھر کی باندی میری بھاوج بنے گی۔
ظفر۔ ہاں ایک باندی کو میں اپنے بازو جگہ دوں گا اس طرح وہ تمہارے بازو بھی بیٹھنے کے قابل ہو جائے گی۔

جمیلہ ۔ خوب ۔

ظفر ۔ کیوں تم راضی نہیں ہو جم ۔

جمیلہ ۔ مجھے تو یہ رشتہ پسند نہیں ۔ میں آپ کے خیالات کی حمایت ضرور کرونگی
اور دنیا بھر کے نوجوان اس معاملے میں جو کچھ کہتے ہیں ۔ وہ صرف کہنے
کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کرنے کے لئے ۔ اس لئے آپ بھی صرف کہتے رہیے

ظفر ۔ مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں ۔

جمیلہ ۔ آپ کی مرضی ۔

ظفر ۔ مجھے افسوس ہے کہ اوروں کی طرح تمہارے ماتھے پر بھی شکنیں آرہی
ہیں لیکن یہ شکنیں اس نیک مقصد میں حائل نہ ہوں گی ۔۔ جم مجھے
اس کا بہت افسوس ہے ۔

جمیلہ ۔ مجھے بھی افسوس ہے لیکن آپ غور تو فرمائیے ۔

ظفر ۔ میں بہت سوچ چکا ۔

جمیلہ ۔ تو آپ ایسا کر کے ہی رہیں گے ۔

ظفر ۔ اگر میرا دل عقل کے دھوکے میں نہ آیا تو میں ایسا کر کے ہی رہوں گا جم

جمیلہ ۔ میں درخواست کرتی ہوں کہ ایک دفعہ آپ پھر غور کر لیجئے ۔

ظفر۔ اچھا۔

(جمیلہ جاتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

# چوتھا سین

[ورانڈے میں نرگس اور فرید گفتگو کر رہے ہیں]

فرید۔ نرگس مجھے اپنی بدقسمتی پر رشک آتا ہے۔

نرگس۔ بدقسمتی پر۔

فرید۔ کیوں آج کل تو بڑے مزے میں ہو تم۔

نرگس۔ ہوں۔

فرید۔ مزے ہی میں رہو نرگس۔

نرگس۔ اس لئے کہ دولت کا اژدھا اپنے گرم سانسوں سے مجھے جلا رہا ہے۔

فرید۔ نرگس ۔بیگم صاحبہ ۔

نرگس۔ مذاق چھوڑو ۔ غم زدوں سے مذاق نہیں کیا جاتا ۔

فرید۔ مذاق کی کیا بات ہے ۔سرکار تو تمھیں چاہتے ہیں نا ۔

نرگس۔ ہاں باتوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے ۔

فرید۔ چاہتے ہیں ۔ تو کیا دولت مند ایک غریب سے محبت کر سکتا ہے

نرگس۔ دولت مند سب کچھ کر سکتا ہے ۔

فرید۔ تو غریب بھی دولت مند سے محبت کر سکتا ہے ۔

نرگس ۔ یہ میں نہیں جانتی اس لئے کہ میں نے محبت نہیں کی ۔

فرید۔ تو کیا تم سرکار کو نہیں چاہتیں

نرگس ۔ نہیں۔

فرید ۔تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے ۔

نرگس ۔دولت کے کھیل ہیں ۔ دولت جو چاہتی ہے کرتی ہے ۔غریبی اس کے سیلاب کو روک نہیں سکتی ۔ وہ محبت کا اظہار کرتے ہیں ۔میں مسکرا دیتی ہوں ۔اس لئے نہیں کہ میرا دل مسکراتا ہے ۔ اس لئے کہ میری غریبی مجھے مسکرانے پر مجبور کرتی ہے ۔غریب دل کے ہاتھ میں ہونٹوں کی مسکراہٹ

بھی نہیں ہوتی۔

فرید۔ تم تو خوش نہیں معلوم ہوتیں۔

نرگس۔ بالکل نہیں۔ لیکن میری خوشی میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جنھوں نے مجھے پالا ہے وہ خوش ہیں اس لئے خواہ مخواہ میں بھی خوش ہوں۔ زربفت پر ٹاٹ کا پیوند پڑ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زربفت کو پیوند کی ضرورت ہو لیکن ٹاٹ زربفت سے دور رہنا چاہتا ہے۔

فرید۔ میں سمجھا۔ سمندر، پانی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ریگستان پر ایک بوند بھی نہیں پڑتی۔

نرگس۔ بالکل صحیح کہا تم نے شاید مختاری اور مجبوری کا معاملہ ہے۔

فرید۔ دولتمند، غریب کو دیکھ لیتا ہے اجڑی زندگی سنور جاتی ہے۔ عزبت، دولتمند کو صرف سجدہ کرتی ہے اس کے گلے میں بانہیں نہیں ڈال سکتی۔

نرگس۔ فرید میں سوچتی ہوں کہ۔

فرید۔ اب تمھیں کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ تم ایک بات کرسکوگی۔

نرگس۔ بولو۔

فرید۔ دیکھو ــــــ میری زندگی کو اگر تم موت کے پنجے سے نکال سکو تو اچھا ہے۔

نرگس ۔ تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ۔

فرید ۔ غریب کی دیوانگی بھی غریب کو دھوکا دیتی ہے ۔ ہاں میں دیوانہ ہوں سنو ۔ میں آج تم سے سب کچھ کہہ دینا چاہتا ہوں ۔ اس لئے کہ تمھاری پست فضاؤں پر بلندی خود آرہی ہے ۔ لیکن میری پستی بلندی پر جانا چاہتی ہے ——— میں "بی بی" سے محبت کرتا ہوں ۔

نرگس ۔ (حیرت زدہ ہو کر) بی جا سے ۔

فرید ۔ ہاں "بی بی" سے ۔ اگر نرگس سے صاب محبت کر سکتے ہیں تو فرید بھی بی بی سے محبت کر سکتا ہے ۔

نرگس ۔ بہتر ہوگا اگر تم یہ خیال دل سے نکال دو ۔

فرید ۔ کاش ایسا ہو سکتا ۔

نرگس ۔ لیکن تم کس سے محبت کر رہے ہو سوچو تو سہی ۔

فرید ۔ بی بی سے ۔

نرگس ۔ تمھیں یہ کیا سوجھی

فرید ۔ صاب نے تم سے محبت کی ۔ تم اب تک نہ سمجھ سکیں ۔ انسانوں کے سینوں میں ایک ہی سا دل ہوتا ہے ۔ آنکھیں جب دل کی محبت سے

اندھی ہو جاتی ہیں تو انہیں صرف انسان نظر آتا ہے۔ نہ دولتمند نظر آتا ہے نہ غریب۔

نرگس۔ تو تم چاہتے کیا ہو۔

فرید۔ میں بی بی کو چاہتا ہوں ۔۔۔ بی بی کی حیثیت سے نہیں۔ جمیلہ کی حیثیت سے۔ مجھے کہنے دو۔ جمیلہ کی حیثیت سے۔

نرگس۔ مگر یہ کس طرح ممکن ہے ۔۔۔ اچھا ناممکن ہی سہی۔

(فرید چلا جاتا ہے نرگس اس کو دیکھتی رہتی ہے)

(پردہ گرتا ہے)

---

# پانچواں سین

---

[ظفر سے نرگس کا عقد ہو چکا ہے مہمان جا چکے ہیں جمیلہ کام سے تھک کر ابھی بیٹھی ہے۔

جمیلہ۔ دولہن بی بی کا پاندان لے آ۔

[فرید جاتا ہے]

آخر بھائی نے ہٹ پوری کی۔ اچھا ہوا۔

[فرید پاندان لے کر داخل ہوتا ہے]

فرید۔ یہ لیجئے پاندان ——— میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

جمیلہ۔ مجھ سے

فرید۔ جی ہاں۔ نرگس سے معاف کیجئے دولہن بی بی سے صاب کی شادی
ہو چکی ہے۔ یہ کیوں ہوئی۔

جمیلہ۔ تو پوچھنے والا کون۔

فرید۔ میں۔ میں ایک غریب جو ایک دولت مند عورت سے محبت کرتا ہے۔
اس لئے نہیں کہ وہ دولت مند ہے بلکہ اس لئے کہ وہ عورت ہے۔

جمیلہ۔ (ٹال کر) تو کیا پوچھ رہا تھا تو

فرید۔ میں پوچھ رہا تھا۔ بے ادبی معاف۔ کیا ایک دولت مند غریب سے
شادی کر سکتا ہے۔

جمیلہ۔ کر سکتا ہے۔ ضرور کر سکتا ہے۔

فرید۔ تو مجھے کہنے دیجئے کہ ایک غریب بھی ایک دولتمند سے شادی کر سکتا ہے۔

جمیلہ ۔ تری اس بکواس کا مطلب کیا ہے ۔

فرید ۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ۔

جمیلہ ۔ (کڑک کر) بے وقوف بے ادب زبان سنبھال کر بات کیا کر ۔

فرید ۔ نرگس اگر صاب کی محبت کو نہ ٹھکرا سکی تو آپ کو بھی چاہئے کہ میری محبت کو نہ ٹھکرائیں ۔ صاب نے ایک غریب کی زندگی کو سنوارا ۔ ایک غریب اپنی تباہی کو آپ کے قدموں میں ڈالنا چاہتا ہے ۔

جمیلہ ۔ بے ادب ۔

(ظفر داخل ہوتا ہے)

ظفر ۔ کیا ہے جم ۔

جمیلہ ۔ یہ بے ہودہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے ۔ اور دیدہ دلیری کے ساتھ مجھ سے کہہ بھی رہا ہے ۔

ظفر ۔ (فرید سے) کیوں بے مسخرے ۔

فرید ۔ جی ہاں ۔ میں گستاخی کر رہا ہوں ۔ نرگس سے آپ کی شادی ہو سکتی ہے اس لئے کہ آپ چاہتے ہیں ۔ لیکن بی بی کی شادی مجھ سے نہیں ہو سکتی کیوں اس لئے کہ آپ نہیں چاہتے ہیں ۔

ظفر۔ نکل بدمعاش۔ یہ بے ادبی۔

فرید۔ میں نے یہ آرزو ایک انسان کی حیثیت سے انسانوں کے سامنے ظاہر کی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ صرف بیرسٹر ہیں اور جمیلہ صرف آپ کی بہن۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

جمیلہ۔ مساوات کا سبق یہ بھی دے رہا ہے خوب۔

ظفر۔ یہ لے تیری تنخواہ۔ (پانچ روپے کا نوٹ دیتے ہوئے) یہاں سے منہ کالا کر ہمیں تیری ضرورت نہیں۔

فرید۔ اچھی بات ہے۔ یہ نوٹ آپ کی دولت کے ڈھیر میں ہی رہنے دیجئے جس سے انسان خریدے جا سکیں۔ میں اپنا ٹوٹا ہوا دل لئے جاتا ہوں۔ قدمبوسی (فرید چلا جاتا ہے) (نرگس دوڑتی ہوئی آتی ہے)

نرگس۔ فرید چلا گیا۔ کہاں گیا فرید۔ افوہ بے چارہ۔

ظفر۔ ہاں اس بے ہودہ کو میں نے نکال دیا۔

نرگس۔ افسوس آپ نے محبت کی۔ لیکن محبت کو سمجھ نہ سکے۔

پردہ گرتا ہے۔

# مندر

## افرادِ ڈراما

زنگار (چمار)

جے رام (پجاری)

دولت راج (ایک دولتمند سیٹھ)

گھنشام بابو ( " )

پرکاش ( " )

مقام۔ ایک گاؤں

زمانۂ موجودہ

# مندر

موجودہ زمانہ میں مندروں اور معبدوں کا سناٹا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے
لیکن زندگی کے دھارے کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ عقیدت اور پرستش کا
جذبہ روز افزوں نئے نئے مندر اور معبد تعمیر کر رہا ہے۔ آذری اور بت گری۔
اس صدی میں قدیم زمانے سے زیادہ تیزی کے ساتھ جاری ہے۔

اس خاکہ کا مندر، پجاری، اچھوت وغیرہ سب تمثیلی ہیں۔ مطالعہ کے وقت
یہ خیال پیش نظر رہے تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔

میر حسن

# مندر

[ مندر کا دروازہ ]

زنگار۔ بھگوان، تو جانتا ہے اچھی طرح جانتا ہے۔ کیا میری آواز تجھ تک
پہنچ رہی ہے۔ نہیں۔ کیوں؟ میں تیرے دروازے پر کھڑا ہوں نا۔

جے رام۔ (حقارت سے) چھی چھی۔ ہٹو ہٹو۔ خدا کے گھر کو ناپاک نہ کرو ہٹو ہٹو

زنگار۔ بھگوان کیا تو نے یہ بھی نہیں سُنا۔ ان کی تُو تُو سنتا ہے شائد نا۔
تیری مورتی کو وہی ہاتھ پھول پہناتے ہیں جن ہاتھوں سے ہم پر ڈنڈے
برستے ہیں۔ تجھ تک وہی قدم آتے ہیں جو ہمیں تیری دہلیز پر ٹھکراتے ہیں۔
یہ سب کچھ تو گوارہ کر لیتا ہے۔ تیری مورتی کو ان پجاریوں نے خرید لیا ہے
تو کیا تو بھی ان کا ہی ہو گیا۔

جے رام۔ چھی چھی۔ ابھی تک تُو نہیں گیا۔

زنگار۔ مہاراج میں آپ کے پاس نہیں آیا ہوں۔ آپ کے خدا سے کچھ
کہنا چاہتا ہوں۔ ہاں آپ کے خدا سے جو ہمارا بھی تھا لیکن ہم سے
چھین لیا گیا ہے۔

جے رام۔ چھی چھی۔ کیسی باتیں کر رہا ہے تو۔ ارے پوجا کا وقت شروع ہو رہا ہے

زنگار۔ جاؤ مورتی پر سیندور چڑھاؤ۔ تمہارا یہاں کیا کام ہے۔ تمہارا
خدا تو یہاں نظر بھی نہیں آتا۔ اس کو تو تم نے طاق میں بٹھایا ہے۔
وہیں تم بھی جاؤ غریب جسے چھو نہیں سکتے، تمہارے توسط کے بغیر
جو نہیں مل سکتا۔ اس خدا کی پوجا کرنے میں دیر نہ کرو۔

جے رام۔ (چلاکر) ارے پرکاش۔ دولت راج۔ گھنشام بابو۔ نکالو اس
کتے کو یہاں بھونک رہا ہے۔

[پندرہ بیس آدمی آتے ہیں]

دولت راج۔ کیوں بے یہ کیا شور مچا رکھا ہے۔

گھنشام۔ جاتا ہے یا سر پھوڑ دوں۔

پرکاش۔ (کشن کو چانٹا رسید کرتے ہوئے) یہ یوں نہ ملنے گا۔

زنگار۔ بابوجی۔ خدا کے گھر کے سامنے آپ ایک خدا کے بندے کو مار رہے ہیں۔

جے رام۔ گستاخ ہے۔

(سب مل کر مارتے ہیں)

زنگار۔ آہ۔ آہ۔ آہ (آہستہ سے) میرے خدا تو نے سب کچھ دیکھا۔
کاش مذہب کے ٹھیکہ داروں کا خدا بھی یہ منظر دیکھتا۔۔۔

جے رام ۔ چھی چھی ۔ چلو سب چلو ۔ اشنان کے لیے ۔ ہاتھ غلیظ ہو گئے ۔
تم کدھر گھس رہے ہو پرکاش مندر میں ۔ چلو چلو اشنان کر کے آؤ ۔

پرکاش ۔ خدا کے گھر کو پاک رکھنے کے لئے ۔ ہم نے ایک پاکیزہ کام کیا ہے ۔
اشنان کی کیا ضرورت ہے ۔

گھنشام ۔ اشنان کی کوئی ضرورت نہیں ۔

جے رام ۔ چھی چھی ۔ اشنان بغیر میں تو آنے نہ دونگا ۔

دولت راج ۔ تم نہ آنے دو گے ۔ تم کون ہو ۔

جے رام ۔ یہ لو ۔ نا بابا ۔ میں تو نہ آنے دوں گا ۔ جاؤ جلد اشنان کر لو ۔

دولت راج ۔ چلو ۔ آؤ سب ۔

جے رام ۔ (دروازہ بند کر کے قفل ڈال دیتا ہے) مندر صرف پاک لوگوں کے لئے ہے

گھنشام ۔ تو ہم کیا ناپاک ہیں ۔

جے رام ۔ تم ناپاک نہیں ہو ۔ لیکن اب ہو ۔

پرکاش ۔ کیا کہا تم نے جے رام ۔

جے رام ۔ تم نے ایک ناپاک کو چھوا ، ناپاک ہو گئے ۔ مندر کی پاک زمیں اس کو گوارہ
نہیں کر سکتی ۔

گھنشام۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم ہمیں اندر جانے نہ دو گے۔ یا نہیں؟

زنگار۔ (آہستہ سے) پوجا کا وقت قریب آ رہا ہے بابو۔ مندر کا دروازہ کیوں بند ہو گیا۔

پرکاش۔ دروازہ کھول دو۔

جے رام۔ مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔

دولت راج۔ مندر ہم نے بنوایا۔ تم کو ہم پالتے ہیں۔ اور مندر کا دروازہ ہمارے لئے ہی بند۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

جے رام۔ مجھے معلوم ہے۔

پرکاش۔ کیا معلوم ہے تجھے۔ مارو اس ذلیل کو۔

(سب لوگ جے رام کو مارتے ہیں وہ چلاتا ہے)

جے رام۔ تم پاپ کر رہے ہو — آہ — مجھے نہ مارو — اوہ

پرکاش۔ کنجی چھین لی؟

گھنشام۔ ہاں۔

پرکاش۔ دروازہ کھول دو۔

جے رام۔ پہلے اشنان کر لو۔ دیکھو یہ پاپ ہے یہ مہا پاپ۔ آہ۔ اوہ

نہ مارو مجھے نہ مارو۔

(سب مندر میں چلے جاتے ہیں زنگار لڑکھڑاتے ہوئے آتا ہے)

زنگار۔ تم کو بھی مارا ان لوگوں نے۔

جے رام۔ ہاں۔ دولت کے پجاری، مندر میں داخل ہو گئے۔ زنگار ذرا پانی۔ میرے لئے

(زنگار پانی کے لئے جاتا ہے)

افوہ۔ روپیوں کی جھنکار پر مذہب کو نچانے والے۔ آہ۔ آہ۔ اے خدا تیرے گھر میں۔ آہ۔ آہ۔

(زنگار پانی لاتا ہے۔ جے رام پانی پی کر مندر میں جانا چاہتا ہے)

گھنشام۔ کدھر آرہے ہو تم۔

جے رام۔ مندر میں۔

گھنشام۔ تم نہیں آسکتے۔ تم نے معمولی چمار کے ہاتھ کا پانی پیا ہے تمہارا دھرم بھرشٹ ہو چکا ہے۔ تم نہیں آسکتے۔ اس چمار کی طرح تمہارے لئے بھی مندر کا دروازہ بند ہے۔

(مندر کا دروازہ اندر سے بند ہو جاتا ہے)

[پردہ گرتا ہے]

[خدا کے نام پر پیسہ کی بجائے جھڑکیاں ہی ملتی ہیں خدائی کی یہی سخاوت ہے۔]

## افراد ڈراما

اندھی بھکارن

بھکاری

چندر ہری

مشرقی شہروں کی زندگی کا یہ تاریک پہلو اہل بصیرت کے لئے شب چراغ ہے۔ اس کالی رات میں آپ کو بہتیری بجلیاں کوندتی نظر آئیں گی ........ یہ چمکنے والی بجلیاں کڑک کر گرنے کے تیور سیکھ رہی ہیں۔ اندھی بھکارن اب سماج کے رخسار رنگین کا خال نہیں رہی۔ یہ خال ایک مہلک زخم بنتا جا رہا ہے ضرورت ہے کہ زہر کے سارے جسم میں پھیل جانے سے پہلے ہی سماج ضروری علاج اور پرہیز شروع کر دے۔

میر حسن

# بھیک

[راستہ]

اندھی بھکارن ۔ جانے یہ راستہ کدھر جاتا ہے ۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا ہے

(موٹر کے ہارن کی آواز) دلادو بابا ۔ اندھی کو ۔ معذور ہوں ــــــ

(ایک لمبی آہ کے ساتھ) آج صبح سے ایک پیسہ بھی نہیں ملا ۔ دنیا میں شائد

سب اندھے ہی بستے ہیں ۔ میں کسی کو نہیں دیکھ سکتی تو کیا کوئی بھی مجھے

نہیں دیکھ سکتا ہے ــــ صرف آوازیں آرہی ہیں ۔ تیز قدموں کی آوازیں جیسے

ضمیر کے پیچھے گناہ ۔

ایک رہرو ۔ ہٹ ۔ اندھی ! کیوں مرنے کے لئے نکلی ہے ۔ ابھی آ گئی تھی نا چپیٹ میں

اندھی بھکارن ۔ (تھوڑی دیر خاموش رہ کر) ہاں میں مرنے کے لیے ہی نکلی ہوں ۔

(باتوں کی آواز) دلادو بابا ۔ دولت کی خیر ۔ ایک پیسہ اس اندھی کو ۔

ایک آدمی ۔ چل چل اپنا راستہ لے ۔

اندھی بھکارن ۔ خدا کے نام پر ایک پیسہ ۔

وہی آدمی ۔ (تند لہجہ میں) نکل یہاں سے کدھر سے آ گئے یہ حشرات الارض ــــ

دوزخ کے سانپوں کی طرح ابل پڑے ہیں ــــ چل بے ہودی ۔ شہر کو بیت المعذورین

بنا رکھا ہے۔

اندھی بھکارن۔ اچھا سرکار۔ خفا نہ ہوں میں چلی۔ (ٹھوکر کھا کر گرتی ہے)

(قہقہوں کی آواز)

اندھوں کی مجبوری ہنسنے ہی کے قابل ہے۔ ہنسو خوب ہنسو (ایک جگہ کھڑی

ہو جاتی ہے) دلا دو بابا اندھی کو۔

ایک آدمی۔ ارے پھاٹک کے سامنے کیوں کھڑی ہے۔ نواب صاحب کے

آنے کا وقت ہے آگے بڑھ کے کھڑی رہ۔ چل چل

اندھی بھکارن۔ کیا نواب صاحب ادھر سے ہی گزریں گے؟

وہی آدمی۔ ہاں۔ لیکن کیا تیرے لئے موٹر سے اتر جائیں گے۔ ہٹ راستے سے

اندھی بھکارن۔ نواب صاحب کا صدقہ کچھ دلوا دو۔

وہی آدمی۔ اب جاتی ہے یا ایک گردنی دوں۔ مینڈک کی طرح چلا رہی ہے۔

اندھی بھکارن۔ اچھا بابا میں جا رہی ہوں۔ خوش رہیں تم اور تمہارے نواب صاحب

(ایک آدمی سے ٹکر ہوتی ہے)

آدمی۔ کیا اندھی ہے۔ دِکھتا نہیں؟

اندھی بھکارن۔ ہاں۔ میں اندھی ہوں۔

آدمی۔ لیکن میں تو نہیں۔

اندھی بھکارن۔ ہاں آپ نہیں ہیں۔

آدمی۔ تو بازو سے کیوں نہیں چلتی۔ سڑک کو جاگیر سمجھتی ہے کیا؟

اندھی بھکارن۔ معاف کیجیے غلطی ہوئی۔ (تیز قدموں کی آواز)

آنکھوں والا اندھا۔ چلا گیا۔ دلادو بابا۔ میں اندھی ہوں۔

ایک رہرو۔ اچھا اور سنو یہ کہتی ہے میں اندھی ہوں۔

دوسرا رہرو۔ جیسے ہم نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وہ اندھی ہے۔

ایک رہرو۔ ہر اندھا ساری دنیا کو اندھی سمجھتا ہے۔

(قہقہوں کی آواز)

اندھی بھکارن۔ سب سن رہی ہوں قہقہوں کی آوازیں آ رہی ہیں لیکن کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔ میں کدھر آ گئی کیا رات ہو گئی۔

(دیواروں کا سہارا ڈھونڈتی ہے)

ارے یہ تو کسی کا دروازہ ہے۔ آواز دوں۔ شائد یہاں کچھ مل جائے۔

دلادو بابا۔ اندھی کو۔ دلادو بابا اندھی کو۔ ایک پیسہ خدا کے نام پر۔

بھکاری۔ (دھیمی آواز میں) کتنی دردناک آواز ہے اس کی۔ جیسے میرے دل کی

دھڑکن ۔ دیکھوں کشکول میں شائد کچھ نکل آئے اس بے چاری کے لئے۔
(کشکول دیکھ کر) آہ اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے ۔ پھر میں کیا دے سکتا
ہوں ۔صرف سہارا ۔ ہاں ۔ ایک غریب کی بھیک ایک غریب کے لیے
سہارا ہی ہے ۔

اندھی بھکارن ۔ دلادو بابا جان و مال کا صدقہ ۔
بھکاری ۔ٹھیرو دیوی میں آیا۔
اندھی بھکارن ۔ کون دیوی ؟ شائد انھوں نے میری آواز سنی ہی نہیں (زور سے
چلاتی ہے ) دلادو بابا ۔ بھوکی ہوں۔
بھکاری ۔ میں ۔ میں ۔ تمھیں کیا دے سکتا ہوں
بھکارن ۔ ایک پیسہ خدا کے نام پر ۔
بھکاری ۔ لیکن ۔
بھکارن ۔ دلادو بابا ۔
بھکاری ۔ لیکن میں بھی بھکاری ہوں ۔ تم ایک بھکاری کے ٹوٹے جھونپڑے
پر کھڑی ہو جس کی جھولی سے خدا کے نام پر بھی ایک پیسہ نہیں نکل سکتا۔
بھکارن ۔ تم بھی بھکاری ہو اچھا ۔ لیکن اندھے تو نہیں ہو نا ۔
بھکاری ۔ یہی تو میری بدقسمتی ہے ۔

بھکارن - ہاں - کیا کہا تم نے؟

بھکاری - ہاں میں نے صحیح کہا - تم نہیں دیکھ سکتیں کہ دنیا کے مغرور کتنی زہریلی نگاہوں سے غریبوں کو ٹھکراتے ہیں - تم نہیں دیکھ سکتیں کہ دنیا صرف دولتمندوں کے لئے ہے تم نہیں دیکھ سکتیں کہ دنیا غریبوں کے لئے کس قدر تنگ ہے -

بھکارن - ہاں میں نہیں دیکھ سکتی - لیکن میں سن سکتی ہوں کہ دنیا کے مغرور بے کسوں کی آواز کو اپنے زہریلے قہقہوں میں کس طرح دفن کر دیتے ہیں - میں سن سکتی ہوں کہ غصہ سے بھری ہوئی آوازیں کتنی بے دردی کے ساتھ غریبوں کی فریاد کو بلند نہیں ہونے دیتیں - میں سن سکتی ہوں -

بھکاری - ہاں تم صرف سن سکتی ہیں لیکن میں دیکھ بھی سکتا ہوں -

بھکارن - میں ہمدردی کی باتیں نہیں سن سکتی - جاتی ہوں - جھڑکیاں سننے کے لئے خدا کے نام پر پیسے کی بجائے جھڑکیاں ہی ملتی ہیں - خدائی کی یہی سخاوت ہے - (تھوڑی دیر خاموشی) ایک بھکارن کو ایک بھکاری کا وقت خراب نہ کرنا چاہئے - اچھا —— خدا حافظ -

بھکاری - کہاں چلیں تم - ایک بھکاری جانتا ہے کہ کسی کا دل توڑنا کتنا بڑا

پاپ ہے۔ میں تم کو خالی ہاتھ جانے نہ دوں گا۔ تم نے بھیک مانگی تھی نا۔

بھکارن۔ تم بھی تو "بھکاری" ہو

بھکاری۔ ہاں میں بھی بھکاری ہوں لیکن تمھیں "بھیک" دوں گا۔ ایسی بھیک جو دولت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں ۔ میں تمھیں اپنے دل کی دھڑکن دوں گا۔ میں تمھیں اپنے آنکھوں کے آنسو دوں گا۔ میں تمھیں ——

بھکارن۔ شکریہ مگر اس سے پیٹ تو نہیں بھرتا۔ بھوک تو نہیں ختم ہوتی کیوں ——

بھکاری۔ لیکن میں بھوک کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے تمھیں اپنی بھوک کی تکلیف دکھاؤں گا۔

بھکارن۔ میں اندھی ہوں۔

بھکاری۔ لیکن تم سن تو سکتی ہو۔

بھکارن۔ ہاں۔

بھکاری۔ تو سنو۔ دنیا کے۔ اس گھور کھ دھندے میں جو پھنسا وہ الجھ کر رہ گیا۔ دنیا کے کھوٹے سکوں کے لئے یہ در در کی ٹھوکریں۔ ایک

من کی موج کے سہارے سہہ لی جا سکتی ہیں۔ آؤ۔ اس ٹوٹے ہوئے

جھونپڑے میں سورج کی کرن بن کر رہو۔

بھکارن۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟

بھکاری۔ میں اپنے دل کی چوٹیں دکھانا چاہتا ہوں لیکن ان کو دیکھنے والے

کوئی نہیں۔ تم اندھی بھکارن ہو تم شاید دیکھ سکو گی۔ میں ایک ساتھی

چاہتا ہوں جس کے ساتھ بیٹھ کر میں بھی دنیا کے قہقہوں پر ایک قہقہہ

لگاؤں۔

بھکارن۔ زیادہ نہ کہو مجھے کیا بھیک ملے گی؟

بھکاری۔ "زندگی کا سکون"

بھکارن۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ ایک غریب کو ایک غریب کا سہارا مل گیا۔

بھکاری۔ میں بھی بھکاری ہوں۔

بھکارن۔ تو۔

بھکاری۔ مجھے بھی بھیک ملے۔

بھکارن۔ کیا۔

بھکاری۔ "زندگی کا سکون"

**بھکارن** ۔ مل جائے گا۔

**بھکاری** ۔ خدا تمھیں خوش رکھے۔ ایک غریب کو ایک غریب کا سہارا مل گیا۔ (تھوڑی دیر خاموش رہ کر) اب چلو بھیک مانگنے کے لئے

دونوں کی جھولیاں خالی ہیں۔

**بھکارن** ۔ چلو۔

(دونوں بھیک مانگنے جاتے ہیں ان کے سوال کی آواز رفتہ رفتہ مدھم ہو جاتی ہے)

---

# گناہ

[آپ سمجھتے ہیں کہ گناہ کھیل ہے حالانکہ گناہ
انسان کی مجبوری کا نام ہے جس کے لئے
فطرت خود وجہ پیدا کرتی ہے]

## افراد ڈراما

لطیف ۔ ایک گریجویٹ نوجوان

متین ۔ لطیف کا سرپرست اور چچازاد بھائی۔

رضیہ ۔ لطیف کی ماں۔

حسینہ۔ ایک طوایف۔

شکیلہ۔ حسینہ کی نوجوان بیٹی۔

# گناہ

تجھے طوائف کہہ کر کون حقارت سے ٹھکراتا ہے؟
ممکن ہے تو سیتا جیسی کسی ستی کی بیٹی ہو۔!
تو جو بھی ہو ——
ہماری ماؤں، بہنوں کی ہم جنس تو ہے ——
تیرے بچے بھی ہم جیسے ہیں ——
شائد کہ ہمارا ہی کوئی ماموں چچا ان کا باپ ہو ——!!

[قاضی نذرالاسلام]

# گناہ

## پہلا سین

[ایک متوسط مکان جس میں کچھ مشرقی وضع کی جھلک ہے اور کچھ مغربی وضع کی]

لطیف۔ تو اس میں برائی ہی کیا ہے۔ ماں کے گناہوں کی سزا بیٹی کو کیوں ملے۔

متین۔ تم اپنے اختیار میں نہیں ہو۔ ہم تمھاری بہتری کو تم سے بہتر جانتے سمجھتے ہیں۔

رضیہ۔ دیکھو بیٹا اس میں نہ صرف تمھاری بدنامی ہے بلکہ ہم بھی کہیں کے نہ رہیں گے۔

لطیف۔ آپ یقیناً تجربہ کار ہیں۔ اونچ نیچ کو جانتے ہیں لیکن کسی انسان سے اس لیئے دامن بچانا کہ اس نے کوئی پاپ کیا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔ میں تو انسان کی بنیاد ہی کو "گناہ" سمجھتا ہوں۔ آدم اسی لیئے جنت سے نکالے گئے تھے کہ انھوں نے گناہ کیا تھا۔

رضیہ۔ یہ بچہ تو ہمیں کو سبق پڑھانے لگا۔

متین۔ ہاں کالج میں چار سال رہ کے یہ سمجھتا ہے کہ میں ابھی اس کے سامنے طفل مکتب ہوں۔

رضیہ۔ (متین سے) دیکھو جی۔ تم یہ بات بات پر کیوں لال پیلے ہو جاتے ہو۔

وہ ہم سے نہیں کہے گا تو کیا دیواروں سے کہے گا۔

متین۔ تو کیا میں ان کے ہونٹ سی رہا ہوں۔ ان کی زبان گدی سے کھینچ کر نکال رہا ہوں۔ صاحبزادے طوائف کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں شریف خاندان میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہوگا۔

لطیف۔ بھائی جان۔ آپ طوائف کو اتنی حقارت سے کیوں دیکھتے ہیں۔

متین۔ ماشاء اللہ کیا سوال کیا ہے؟ جیسے بچہ کو کچھ معلوم ہی نہیں۔ انسانیت کے دامن پر ایک بدنما داغ، جس نے گناہ کو زندگی کا نصب العین بنایا۔ اور کونسی نظر سے دیکھا جاتا ہے میں بھی تو سنوں۔

لطیف۔ آپ نے صرف دامن پر کے داغ کو دیکھا۔ دل کے داغ آپ نے نہیں دیکھے۔ آپ نے گناہ اور زندگی میں فرق کیا حالانکہ زندگی خود گناہ ہے آپ سمجھتے ہیں کہ "گناہ" کھیل ہے حالانکہ گناہ انسان کی اس مجبوری کا نام ہے جس کے لئے فطرت خود وجہ پیدا کرتی ہے۔

متین۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی خوبیوں پر تم نے کوئی کتاب پڑھی ہے۔ اور ہر اس کتاب کو جو تہذیب سے گری ہوئی ہو پڑھ کر اس پر ایمان لا لینا

آج کل کے نوجوانوں کی سب سے بڑی لیاقت ہے۔ ہے نا۔

لطیف۔ میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ آپ لوگ جب کبھی سوچتے ہیں تو صرف ایک ہی پہلو پر آپ کی نظر رہتی ہے۔ میں اس کا قائل نہیں۔ چور اس لئے چوری کرتا ہے کہ چوری کئے بغیر اس کے لئے زندگی گزارنی مشکل ہو جاتی ہے۔ قاتل اس لئے قتل کرتا ہے کہ فطری جذبۂ انتقام اس کے ہاتھ میں تلوار دیتا ہے۔ آدمی جھوٹ اس لیے بولتا ہے کہ سچ بھی اکثر اوقات گناہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا گناہ کے تاریک تصور میں گناہ کی حقیقت کو بھلا دینا انصاف ہے۔

متین۔ گناہ سے پہلے ارادہ کا مقابلہ کرنا ہی اصل میں انسانیت ہے۔

لطیف۔ زندگی مجبور کر کے ارادہ پیدا کرے تو؟

متین۔ ضمیر کبھی گناہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

لطیف۔ اگر گناہ ضمیر پر غالب آجائے تو؟

متین۔ اس وقت مر جانا بہتر ہے۔

لطیف۔ لیکن خودکشی بھی تو "گناہ" ہے۔

رضیہ۔ کام کی بات کوئی نہیں کرتا لگے دونوں فلسفہ بھگارنے۔ میں نگوڑی کیا سمجھوں

ان باتوں کو۔ اصل معاملہ طے کر لو۔ پھر اس کے بعد بخشتے رہو۔

متین۔ ہاں تو لطیف میاں خورشید سے تمھاری شادی کا تصفیہ تمھارے

مرحوم والد نے کیا تھا۔ کیوں چچی۔

رضیہ۔ ہاں۔ خورشید تمھاری چچازاد بہن ہے۔ تم جانتے ہو کہ تمھارے چچازاد بھائی

نے۔ جو تمھارے سامنے بیٹھے ہیں ہمیں سہارا دیا۔ ہم ان کے احسان کو

کبھی نہیں بھول سکتے۔ تم بھی تعلیم یافتہ ہو اور خدا کے فضل سے خورشید نے

بھی کافی تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ خوبصورت بھی ہے۔

لطیف۔ امی جان میں نے کب انکار کیا۔ میں بھائی جان کو اپنا سہارا سمجھتا

ہوں۔ انھوں نے اپنی محبت سے ہمیں زندگی دی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی محبت

ہی نے مجھے گستاخ بنایا ہے۔ اور میں صاف طور سے اپنے دل کا حال

بیان کر رہا ہوں۔

متین۔ میں کبھی گوارہ نہ کروں گا کہ تم خواہ مخواہ مجبور ہو کر خورشید سے شادی

کر لو۔ اس لئے کہ وہ میری بہن ہے اور میں نے تمھیں پرورش کیا ہے

بلکہ میں چاہتا ہوں کہ خورشید تمھیں کسی وجہ سے پسند نہ ہو تو تم کسی شریف

گھرانے کی لڑکی سے اپنا دامن باندھ لو۔ یہ کیا کہ چلے ایک طوائف کے

داماد بننے۔

لطیف۔ دیکھئے آپ نے پھر طوائف کہہ کر" مجبور انسان پر طعنہ دیا۔

متین۔ جی نہیں آپ کی ہونے والی خوش دامن صاحبہ بڑی پاک دامن ہیں

انھوں نے جو کچھ کیا۔ وہ نیکی ہے۔

لطیف۔ مجھے صاف صاف کہنے دیجئے کہ انسانیت کے دامن پر اس لیے

داغ ہے کہ ہم نے یہ داغ پیدا کیا۔ دامن پر دھبہ ہوتا ہے تو اس میں

دھبے کا کیا قصور۔ اُس گرد کا قصور ہے جس نے دامن پر دھبہ لگایا

طوائف کو آپ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن آپ یہ خیال نہیں

فرماتے کہ ہم ہی نے تو اسے طوائف بننے پر مجبور کیا۔ ظالم سماج کا یہ

مظلوم شکار ہماری تعیش پسندانہ زندگی میں کیوں موتیوں کی طرح تولا جاتا

ہے۔ کوٹھوں پر جانے والے کیوں اپنی انسانیت کو محسوس نہیں کرتے

ہم کیوں اس داغ کو دھونے کی کوشش نہیں کرتے۔

متین۔ یہ نئی منطق ہے۔

لطیف۔ یہ منطق بہت پرانی ہے۔ ہماری خود غرضیوں کی یہ حسین نشانی جو اپنے دل کے

ناسور سے کھیلتی ہوئی بن سنور کر کوٹھے پر حُسن فروشی کرتی ہے!

اس قابل نہیں ہے کہ حقارت سے دیکھی جائے۔ ظاہر پرستوں نے اسے
غلط سمجھا اس لئے کہ وہ اپنے ہی باطن کو دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔

رضیہ۔ پھر شروع ہو گئی بحث۔ تو کیا تم لوگ میری بھی سنو گے یا نہیں۔

لطیف۔ فرمائیے۔

رضیہ۔ تو تم نہیں مانو گے۔

لطیف۔ مجھے پہلے یہ سمجھا دیجئے کہ "گناہ" جو ہماری زندگی کا آخری سہارا ہے
کیوں ظاہری تقدس کا پیوند نہیں بن سکتا۔

متین۔ نہیں وہ نہیں مانینگے۔

رضیہ۔ ابھی تم ٹینس کھیل کر آئے ہو۔ ذرا منہ ہاتھ دھو لو اور غور کرو کہ تمہاری
خواہش کہاں تک درست ہے۔

متین۔ ہاں اچھی طرح غور کر لو۔

لطیف۔ بہت اچھا۔

---

# دوسرا سین

[ جنگل میں ایک چھوٹا سا مکان جس میں صرف ضروری سامان ہے ]

حسینہ ۔ تم خواہ مخواہ محسوس کر رہی ہو ۔

شکیلہ ۔ یہ احساس خواہ مخواہ نہیں ہے بلکہ اس میں حقیقت ہی حقیقت ہے ۔

حسینہ ۔ میں نے ہمیشہ اپنے زندگی کے راز کو ہر ایک سے چھپایا ہے ۔ لیکن دنیا

چاہتی ہے کہ اس کو ظاہر کر دیا جائے ۔

شکیلہ ۔ دنیا جاننا ہی نہیں چاہتی کہ کسی کی زندگی کا راز کیا ہے ۔ وہ تو صرف دیکھتی ہے ۔

حسینہ ۔ یہ تم بوڑھوں کی سی باتیں کیوں کرنے لگیں ۔

شکیلہ ۔ اس لیے کہ دنیا نے نوجوانوں سے بھی جوانی چھین لی ہے ۔

حسینہ ۔ ایسی باتیں نہ کرو بیٹی ۔ ہاں تو میں یہ کہنا چاہتی تھی ۔ کہ تم لطیف

سے شادی کر رہی ہو اور لطیف بخوشی راضی ہے ۔ دنیا سے تو شادی

نہیں کر رہی ہو نا ۔ کہہ لینے دو دنیا کو ۔

شکیلہ ۔ اماں جان آپ بھی کمال کرتی ہیں ۔ میں تم سے شادی کیوں نہ کروں

مگر مجھے دنیا میں تو رہنا ہے نا ۔ سماج میں ہم گناہ کی طرح دیکھے جاتے ہیں

گناہ سے نیکی کا ملاپ نہیں ہو سکتا ۔

حسینہ۔ (ہنستی ہے) نیکی ایک دھوکا ہے لیکن گناہ ایک حقیقت۔ تم ابھی
نہیں جانتیں کہ نیکی ایک کمزور حربہ ہے جس کو استعمال کر کے انسان اپنی
انسانیت کو منوانا چاہتا ہے لیکن ایسا گناہ جو مجبور ہو کر انسان کرتا ہے
انسانیت پر ایک بھرپور وار ہے۔ چہروں کا تقدس دل کی گندگی کو
نہیں دکھا سکتا اور نہ ہونٹوں کے تبسم میں دل کی چوٹیں نظر آ سکتی ہیں
دنیا صرف چہروں کے تقدس کو دیکھتی ہے، دل کی گندگی کو نہیں دیکھ سکتی
شکیلہ۔ میں بھی تو اسی دنیا کے متعلق کہہ رہی ہوں جو صرف چہروں کا تقدس
دیکھنا چاہتی ہے

حسینہ۔ میری زندگی خود تمھیں بتا دے گی کہ ہمارے گناہ کا باعث دنیا کی
نیکیاں ہی ہیں۔ میں ابھی دس برس ہی کی تھی کہ میرے ماں باپ مر گئے۔
اگرچہ تمھارے نانا امیر آدمی تھے لیکن ان کے اسراف نے ان کو قرضدار
بنا رکھا تھا۔ جب وہ مرے ہیں ہمارے گھر میں جو کچھ تھا اس سے میری
انّی نے جو ایک بوڑھی عورت تھی مجھے پالنا شروع کیا۔ لیکن قرضداروں نے
مطالبے شروع کیے۔ اور ایک ساہوکار نے تو گھر کو ہراج ہی کروا دیا۔
عدالت کا حکم تھا اور ہم بے وسیلہ کیا کر سکتے۔ دنیا کی اس نیکی نے میری

انّا کو بہت پریشان کیا اور وہ مجھے میرے ماموں کے پاس لے گئی دنیا میں میرے یہی ایک قریبی رشتہ دار تھے۔ انھوں نے پہلے تو کہا کہ میرا ہاتھ پہلے ہی سے تنگ ہے میں کیا کرسکتا ہوں لیکن میرے آنسوؤں پر ان کو رحم آیا آنی کو وہ نہ رکھ سکے۔ آنی بھی مجھ سے بچھڑ گئی۔ دنیا کی یہ دوسری نیکی تھی۔ میں لاڈ و پیار کی پالی ہوئی ماموں اور ممانی کے حکم سے روزانہ جھاڑو دیتی، برتن صاف کرتی، پاؤں دباتی بہر حال ایک باندی کی طرح میری زندگی گزرنے لگی۔

دنیا نے میرے ساتھ یہ تیسری نیکی کی تھی۔ ایک دن میں پردے سے جھانک کر مداری کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ ماموں کڑک کر بولے کیا تو ہمارے گھر کو بدنام کرنا چاہتی ہے۔ تیرا جی چاہتا ہے تو کسی کو ٹھے پر بیٹھ جا۔ شریفوں کے گھر میں تانک جھانک اچھی نہیں۔ میں نے لاکھ منت سماجت کی کہ اب سے ایسا نہ کروں گی۔ لیکن وہ نہ مانے۔ ماموں نے ممانی کے کہنے پر مجھے گھر کے باہر کر دیا۔ میں دنیا سے ناواقف سڑکوں پر گھومتی رہی۔ تھوڑی دور جاتی اس کے بعد پھر ماموں کے دروازے تک آتی۔ ایک دفعہ ہمت کر کے اندر بھی چلی گئی لیکن انھوں نے آنے نہ دیا

دنیا کی یہ چوتھی نیکی تھی جو میرے ساتھ ہوئی میں مایوس ہو کر سڑکوں پر پھرنے لگی۔ دنیا کے بے فکر مردوں کی نگاہیں مجھے کھا رہی تھیں۔ ہر شخص مجھے دیکھ رہا تھا عجیب عجیب نگاہوں سے۔ میں شرماتی کانپتی پھر رہی تھی۔ رات ہو چکی تھی دن کے واقعات کا خیال کر کے جو مجھ پر گزر چکے تھے ہیبت ہونے لگی۔ بھوک اور پریشانی سے سر چکرانے لگا۔ ماموں کے گھر کا راستہ بھی بھول گئی تھی ایک بنگلے کے نیچے چبوترے پر بیٹھ گئی۔ میں رو رہی تھی یہ خیال کئے بغیر رو رہی تھی کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ بنگلہ کے دروازے پر ایک موٹر رکی۔ اس میں سے ایک حسین خاتون اتری۔ اس نے مجھے دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس کی آواز میں محبت تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ دنیا میں میری مدد کرنے والی یہی ایک عورت ہے۔ میں اس سے لپٹ گئی اور روتے ہوئے سارا حال کہہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے وہ مجھے اپنے ساتھ بنگلے پر لے گئی۔ منہ ہاتھ دھلائے تسلی دی۔ کھانا کھلایا اور میرے لئے دو آراستہ کمرے الگ کر دئے میں اس میں رہنے لگی۔ یہ پاپی انسان کا یہ پہلا گناہ تھا جس نے مجھے ایک گناہوں کے محل میں بسا یا۔ اس بنگلے پر عجیب عجیب

قسم کے مرد آتے، کوئی اینڈتے ہوئے کوئی جھپتے ہوئے، کوئی پارسا کوئی خوب پی کر، بہر حال رات ہوتے ہی ایک ہنگامہ ہوتا لیکن خدا کی قسم میں اپنے کمرہ سے باہر نہ نکلتی اور نہ میری محسن مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی۔ ایک دفعہ میں دن میں کشیدہ کاڑھتے ہوئے بیٹھی تھی۔ میری منہ بولی اماں جو مجھے پرورش کر رہی تھیں باہر گئی ہوئی تھیں۔ ایک خوبرو نوجوان آیا۔ اس کو دیکھ کر میں اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ بھی میرے کمرے میں آ گیا۔ اس نے پوچھا قمر جہاں کہاں ہیں۔ میں نے منہ پھیر کر کہا۔ وہ نہیں ہیں۔ — پھر کب تک آئیں گی اس نے دریافت کیا۔ شام تک آئیں گی۔ آپ شام میں تشریف لائیے۔ میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ شام تک آئیں گی۔ اس نے میرے جملے کو مزہ لے کر دھرایا اور فاتحانہ انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا تو شام تک مجھے ان کا انتظار کرنا ہے۔ جیسے جیسے وقت شام کی طرف بڑھتا گیا وہ بھی میرے قریب ہوتا گیا۔ اس کی گرم سانسیں میرے رخساروں کو چھونے لگیں۔ یہ مرد کی پہلی سانسیں تھیں جن میں میں نے شراب کی سی مستی پائی۔ میں مجبور تھی فطرت نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ یہ میرا دوسرا گناہ تھا۔

اب میرے دن اور رات کا زیادہ حصہ ان ہی کے ساتھ کٹنے لگا۔ میری پالنے والی بھی اس کو بری نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔ قمر جہاں کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس پاپ کی بستی کو چھوڑ کر بستی سے دور ایک چھوٹا سا مکان لیا۔ یہی جس میں ہم ہیں۔ یہیں وہ آتے تھے۔ کچھ دنوں بعد تم پیدا ہوئیں۔ یہ میرا بہت بڑا گناہ تھا۔ زندگی اچھی کٹتی تھی۔ میرا گناہ صرف ایک ہی آغوش میں سمٹ کر رہ گیا تھا۔ اور میں نہیں جانتی تھی کہ اس مرد کے سوا دوسرے مردوں کی سانس میں بھی کوئی گرمی ہوتی ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی آیا جب کہ وہ نہیں آنے لگے۔ میں جنگل کے اس سنسان پن میں پریشان رہنے لگی۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ میں اس خبر کو سن کر رونے لگی۔ میں صرف تنہائی میں رو سکتی تھی۔ میں تنہائی ہی میں روتی رہی۔ گناہوں کی زندگی کے لمحے ختم ہو چکے اب گناہ گار زندگی پچھلے گناہوں کی یاد میں بسر ہو رہی ہے۔ تم جانتی ہو میں نے بے حیائی کے ساتھ اپنی بیٹی کے سامنے یہ سب کچھ کیوں کہہ دیا۔ میرا دل اس راز کو اپنے سینے میں ایک بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ میرا دل ہلکا ہو گیا وہ مرد کون تھا جس کے ساتھ میں نے

اپنی زندگی گزاری ۔ لطیف کے حقیقی چچا ۔ ہاں تم اس کی چچازاد بہن ۔۔ نہیں میں ایسا نہیں کہہ سکتی ۔ دنیا مجھے یہ کہنے نہ دے گی۔ اس لئے کہ زندگیوں کو ملانے والا سماج کا ایک تیسرا ہاتھ ہمارے درمیان نہ تھا۔ (قدموں کی آہٹ)

شکیلہ ۔ (آنسو پونچھتی ہوئی) افوہ

(لطیف داخل ہوتا ہے)

تم رو کیوں رہی ہو شکیلہ ۔ (حسینہ سے) کیا آپ اس کا ثبوت دے سکیں گی کہ ...... میں نے سب کچھ سن لیا ہے ۔ معاف کیجئے آپ کی باتیں ....... ہاں مجھے جلد معلوم کیجئے ۔

حسینہ ۔ تم معلوم کرنا چاہتے ہو کیوں ۔

لطیف ۔ اس لئے کہ میں یہ معلوم کیے بغیر سماج کو اس کے اپنے اعمال کے آئینہ میں دکھانے کے قابل نہیں ہوں ۔

حسینہ ۔ اچھا ٹھہرو ۔

(حسینہ جاتی ہے اور شکیلہ اور لطیف ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں ۔ شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو کھیل رہے ہیں اور لطیف کی آنکھوں میں محبت

[ تھوڑی دیر بعد حسینہ واپس آتی ہے ]

حسینہ ۔ یہ پندرہ تصویریں اور یہ بائیں خطوط ۔ یہ تصویر جس میں وہ شکیلہ کو گود میں لئے کھڑے ہیں [ لطیف تصویروں پر ایک نظر ڈال کر خطوط کو غور سے دیکھنے لگتا ہے ۔ تھوڑی دیر خاموشی ـــــ ]

لطیف ۔ میں نے شکیلہ کو پالیا ـــــ افوہ ـــــ بے ادبی معاف ۔ میری شکیلہ [ لطیف تیزی سے چلا جاتا ہے اور حسینہ اور شکیلہ اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں ۔ ]

ـــــــ ٭ ـــــــ

# تیسرا سین

[ پہلے سین کے مطابق ]

رضیہ ۔ کیا لطیف نے تم سے اب تک کچھ نہیں کہا ۔

متین ۔ نہیں وہ ایک گہری فکر میں رہتا ہے ۔ اس کے چہرے پر اداسی ہے ۔ یہ آج کل کے نوجوان بھی عجیب ہیں ۔ مخلوط تعلیم کا برا ہو، اس نے انھیں کہیں کا نہ رکھا ۔ لڑکیوں کی ہٹ الگ ہے لڑکوں کی ہٹ الگ ۔ شریفوں کی زندگی عجیب مخمصے میں ہے ۔

رضیہ ۔ رفتہ رفتہ اس کی ضد دور ہو جائے گی ۔

متین ۔ خدا کرے ایسا ہو ۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے جیتے جی طوائف کی بیٹی سے شادی کرے

رضیہ ۔ اس کی شادی تو میری خورشید ہی سے ہوگی ۔ آج اس سے پوچھ لینا چاہئے کہ اس نے آخر کیا فیصلہ کیا ۔ گھر کی بچی کو چھوڑ کر وہ دوسروں کے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا ۔

متین ۔ کالج میں اس لڑکی سے دوستی ہو گئی ہے ۔ اب میاں دل پھینک کر اسی کو اپنے گھر بسانا چاہتے ہیں ۔

رضیہ ۔ تعلیم کا بُرا ہو ۔ اس نے کہیں کا نہ رکھا ۔ [قدموں کی آہٹ] آؤ بیٹا لطیف ۔ تمہارا ہی تذکرہ تھا ۔ [لطیف آتا ہے]

لطیف ۔ یہی ہوگا نا کہ لطیف ایک گناہ گار عورت کی گناہ گار بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ بے وقوف ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔

متین ۔ دیکھ لئے آپ نے تیور ۔

رضیہ ۔ یہ تو ایسا کیوں ہو گیا ہے ۔ بچے ہمیشہ ناک پر غصہ ۔

لطیف ۔ آپ لوگوں نے مجھے ایسا بنا دیا ہے ۔ میں آج یہ بتانا چاہتا ہوں کوئی گھر گناہ سے

خالی نہیں خورشید میری چچازاد بہن ہے۔ اس لیئے کہ چچی سے چچا کا عقد ہوا تھا۔ لیکن شکیلہ میری چچازاد بہن نہیں ہے اس لئے کہ چچا نے دنیا کے سامنے اس کی ماں سے شادی نہیں کی تھی۔

متین ۔ یہ لو معاملہ اب تو ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔

لطیف ۔ جی نہیں اپنی جگہ قائم ہے۔

متین ۔ (غصہ سے) کیا تم میرے والد کو بدنام کرنا چاہتے ہو۔

منیبہ ۔ (غصہ سے) لطیف تمھیں اپنی حیثیت نہیں بھلانی چاہیئے۔

لطیف ۔ آپ لوگ غصہ نہ کریں۔ (تصویریں اور خطوط جیب سے نکال کر۔ ذرا دور ہٹتا ہے) یہ تصویریں۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو۔ دس۔ گیارہ اور بارہ آپ لوگ ایک دوسرے کو کیوں دیکھ رہے ہیں غور سے دیکھیئے گناہ کی ان تصویروں میں آپ کے اور ہمارے جلوے بھی نظر آئیں گے۔ (تصویریں جیب میں رکھہ لیتا ہے) اور یہ ہیں خطوط ایک نیک گھر سے ایک بیاہ کا عورت کے نام لکھے ہو خطوط۔ سنئے۔ کچھ سن بھی لیجئے۔

ایک خط میں چچا ابا لکھتے ہیں:۔ "میں نے تمھیں گناہ کرنے پر مجبور کیا۔ مجھے اس کا دلی افسوس ہے لیکن میں نے اپنی زندگی کے لیئے مسرت کا ایک خزانہ پالیا، اس لیئے مجھے اس کی دلی مسرت ہے۔ ان حسین پرچھائیوں کو جنھیں دنیا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے ہمیشہ کے لئے اپنا کر لیا۔" دوسرے خط میں فرماتے ہیں)

"تم ایک طوائف کے گھر میں رہتی ہو اس لئے دنیا جو چاہے کہے لیکن میں جانتا ہوں
اور خدا جانتا ہے کہ تم صرف میری بن کر رہ گئیں تمھاری فطری شرافت نے ایک گناہ گار
ہی کو تم سے ملنے دیا۔"

اور سنیئے۔ "شکیلہ کی شادی میں کروں گا۔ وہ میری بیٹی ہے اگرچہ دنیا یہ نہ مان سکے گی۔
میں اپنے بھائی کو جو مجھے بہت چاہتے ہیں" "مجبور کروں گا کہ وہ اپنے بچے لطیف کی شادی
اس سے کریں" "اس لئے کہ لطیف میرا بھتیجا ہے اور شکیلہ میری بیٹی" دونوں کی
رگوں میں ایک ہی خون ہے"

متین۔ بس کرو۔ مجھے زیادہ نہ سناؤ۔

لطیف۔ "خورشید ایک نیکی ہے جس کو ہر شخص دل میں بٹھائیگا لیکن شکیلہ ایک گناہ"
جس کو گنہگار ہی کے گھر میں رہنا چاہیئے۔ میں اپنے چچا یعنی آپ کے والد
کے اس "زندہ گناہ" کو اپنے دل سے لگا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ فرمائیے آپ کو
کوئی اعتراض ہے۔

متین۔ چچا۔

رضیہ۔ ہاں متین میاں۔

[پردہ گرتا ہے]

१२

२ ३ ४ ५

४४